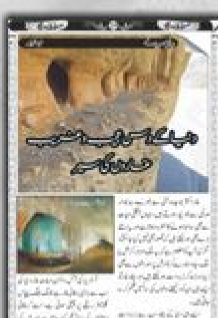

ماہنامہ
مسلمان بچے
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
لاہور
186
شعبان ۱۴۴۴/مارچ 2023
ترتیب
اہلِ نظر
حقائق سے پردہ اٹھاتی ایک چشم کشا تحریر
ضمیر کی جیت
ایک سبق آموز تحریر
سب سے اہم زبان
ایک اچھوتی تحریر
سلطان ٹیپو شہید، بوجھ بجھکڑ اور دیگر
مستقل سلسلوں سے مزین رنگا رنگ شمارہ
ایک ہنستی مسکراتی تحریر
چھومنتر



سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت
ماہنامہ
مُسلمان بچے
لاہور
پاکستان
بچوں کے
اسلامی اخلاقی تعلیمی
تربیتی ادب کا ترجمان
بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے
شمارہ: 8 شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ بمطابق مارچ 2023ء جلد: 16
قیمت فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ زرِ تعاون =/720 روپے
اپنی کہانیاں، مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں
پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور
ترسیل رقم اور حصول رسالہ کیلئے:
مکتبۃ ابن مبارک
37۔حق سٹریٹ
اردو بازار۔لاہور
موبائل: 0322-5140485
پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں



اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔



فرمان باری تعالیٰ

''اور بے شک تمہارے لیے چار پایوں میں بھی عبرت ہے کہ ہم تمہیں ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی کیے جاتے ہو۔'' (المومنون)

حمد باری تعالیٰ

اے خُدا اب تو مرا تُو ہی بھرم قائم رکھ
میری آنکھوں کو نمی دی ہے تو نم قائم رکھ
سرخمیدہ ہے ترے سامنے اور یُوں ہی رہے
عجز بڑھتا ہی رہے، اِس میں یہ خم قائم رکھ
کیا کہوں میرے گُناہوں کی نہیں کوئی حدُود
مُجھ خطا کار پہ تُو اپنا کرم قائم رکھ
یاد محبُوب کے کُوچے کی ستاتی ہے مُجھے
جو مدِینے کا مرے دل میں ہے غم قائم رکھ
ہم کو اِسلام کے جھنڈے کے تلے کر یکجا
دِل میں ایمان رہے، سر پہ علم قائم رکھ
تُو خُدا میرا ہے مقصود مُجھے تیری رضا
تُو ہے راضی تو مرے رنج و الم قائم رکھ

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ہمیں دوسرے لوگوں پر تین باتوں کی وجہ سے فضیلت عطا کی گئی ہے۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئی اور ہمارے لئے ساری زمین نماز کی جگہ بنادی گئی اور جب پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہم کو پاک کرنے والی بنادی گئی۔'' (صحیح مسلم)

نعت رسول مقبول ﷺ

حضور کوئی تدارک کہ دل نُمو پائیں
ہم ایک گوشۂ سرسبز چار سُو پائیں
کمال ہو کہ سحر دم بجُونہی چراغ بجھے
تو خود کو روضۂ اقدس کے رُو بہ رُو پائیں
کٹے تو صرف کٹے آپ کے لئے گردن
ہم اپنے دل میں شہادت کی آرزُو پائیں
ترے ہی فیض سے سَر کر لیں کوہ ہست و بود
جہاں بھی جائیں وہاں خود کو سُرخ رُو پائیں
ہمارا رشتہ جُڑا ہو چراغ نور کے ساتھ
ہم اپنی روح میں تخلیقی جستجُو پائیں
یہ ایک دُھن ہمیں رقصاں کئے ہوئے ہے کہ بس
ترا ہی جام ملے تیرا ہی سُبو پائیں
دُوبارہ جی اُٹھیں تاثیرِ اسمِ احمد سے
ہم اپنی مُردہ رگوں میں نیا لہُو پائیں





ایک دعا یاد کیجئے

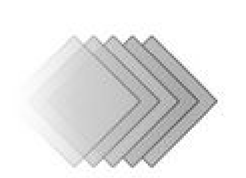
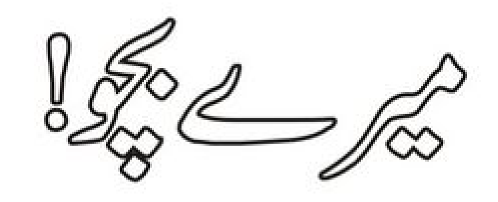
سُبۡحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمۡدِکَ
اللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلِیۡ۔ (متفق علیہ)

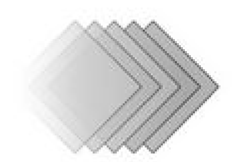
ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کی پاکی اور حمد بیان کرتا ہوں
یا اللہ! میری مغفرت فرما۔

ایک حدیث یاد کیجئے

قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:
اَلۡمُسۡلِمُ أَخُوۡ الۡمُسۡلِمِ، لَا یَظۡلِمُہٗ وَلَا یَخۡذُلُہٗ،
وَلَا یَحۡقِرُہٗ۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اُس پر خود ظلم کرتا ہے اور
نہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اُسے حقیر جانتا ہے۔''



شیطاں کے شکنجے میں نہ آنا مرے بچو
عقبیٰ کو بہرطور سجانا مرے بچو

رہ جانا، نہ دنیا کے سرائے میں الجھ کر
جنت ہے مسلماں کا ٹھکانا مرے بچو

دینا ہے حساب آپ کو ایک ایک نفس کا
مت قیمتی اوقات گنوانا مرے بچو

مظلوم کی آہوں کی رسائی ہے خدا تک
بھولے سے کبھی ظلم نہ ڈھانا مرے بچو

ہے شوق اگر داخلۂ خلدِ بریں کا
ہرگز کبھی چغلی نہ لگانا بچو

کرنا نہ کبھی بات ذرا ان سے اکڑ کر
ماں باپ سے آنکھیں نہ ملانا مرے بچو

تب جا کہ کہیں علم کا سرمایہ ملے گا
استاد کے ہر ناز اٹھانا مرے بچو

ناغوں سے کبھی علم کی وسعت نہیں ملتی
پابندی سے تم مدرسے جانا مرے بچو



بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے ترکیہ اور شام کے مسلمانوں پر بڑے امتحان کا وقت آیا ہے۔ ایسی ہولناک تباہی ہے کہ تصاویر دیکھنے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، جو لوگ عملی طور پر اس سے دوچار ہیں ان کے خوف، پریشانی اور تکلیف کا کیا عالَم ہو گا۔ اللہ اللہ

جن علاقوں میں یہ زلزلہ آیا ہے، وہاں موسم بھی بہت شدید ہے، سردی اپنے عروج پر ہے اور برف ابھی تک انہیں گھیرے ہوئے ہے۔ شام کے جو علاقے زیادہ متاثر ہیں ان کا دگنا امتحان ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی غاصب اور ظالم حکومت کے ظلم وستم کا شکار ہو کر اپنے گھربار سے محروم خیمہ بستیوں اور عارضی رہائش گاہوں میں مقیم ہیں۔

یہ پورا علاقہ طویل عرصے سے شدید محاصرے کی کیفیت میں ہے، بیرونی دنیا سے رابطے منقطع ہیں، روسی اور شامی سرکاری افواج کی طرف سے فضائی بمباری ان پر مستقل جاری رہتی ہے۔ دنیا بھر سے نہ تو انہیں کوئی امداد پہنچ پاتی ہے اور نہ ہی وہ کہیں سے اپنی بنیادی ضرورت مہیا کر پاتے ہیں۔ ان کی زندگی پہلے ہی تکلیفوں سے عبارت تھی اوپر سے ان کی یہ مزید آزمائش آگئی۔ صرف ایک ترکیہ کی سرحد ان کے ساتھ کھلی تھی اور اسی کے سہارے ان کا کچھ گذر اوقات ہو رہا تھا اب جبکہ ترک مسلمان خود شدید متاثر ہیں ایسے میں ان کا یہ رہا سہا سہارا بھی کمزور پڑ گیا۔

لیکن ماشاءاللہ! یہ اہل شام عجیب ایمان والے لوگ ہیں، ان کے حالات دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ سرزمین شام اور اس کے باشندوں کے جو فضائل وارد ہوئے ہیں وہ حق ہیں اور آخرِ زمانہ میں اسلام کی کامل فتح کا میدان سرزمین شام کو ہی کیوں بنایا گیا ہے۔ وہ اِن حالات میں بھی مایوس نہیں اور نہ ہی ان کے عزائم شکستہ ہوئے ہیں۔ وہ پرعزم ہیں اور اس آزمائش پر صابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شہداء کو بلند ترین مقامات سے نوازے اور ان کے نقصانات کا ازالہ فرمائیں۔ بحیثیت امت ہمارا فرض ہے کہ ہم اس گھڑی میں ان کے لئے جو کرسکیں اس سے دریغ نہ کریں۔ جو عمل تعاون کرسکیں کر گزریں۔ ان کے لئے دن رات دعائیں کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خیر، عافیت اور راحت کا سوال کریں۔ دل میں ان کا درد رکھیں اور ان کی طرف متوجہ رہیں۔

ایسی آفات کے وقت ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ اپنے دل صاف کریں۔ گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کریں اور توبہ استغفار کی کثرت کریں۔ انفرادی اور معاشرتی سطح پر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے اعمال ترک کریں اور ذکر و عبادات کی عادت پختہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

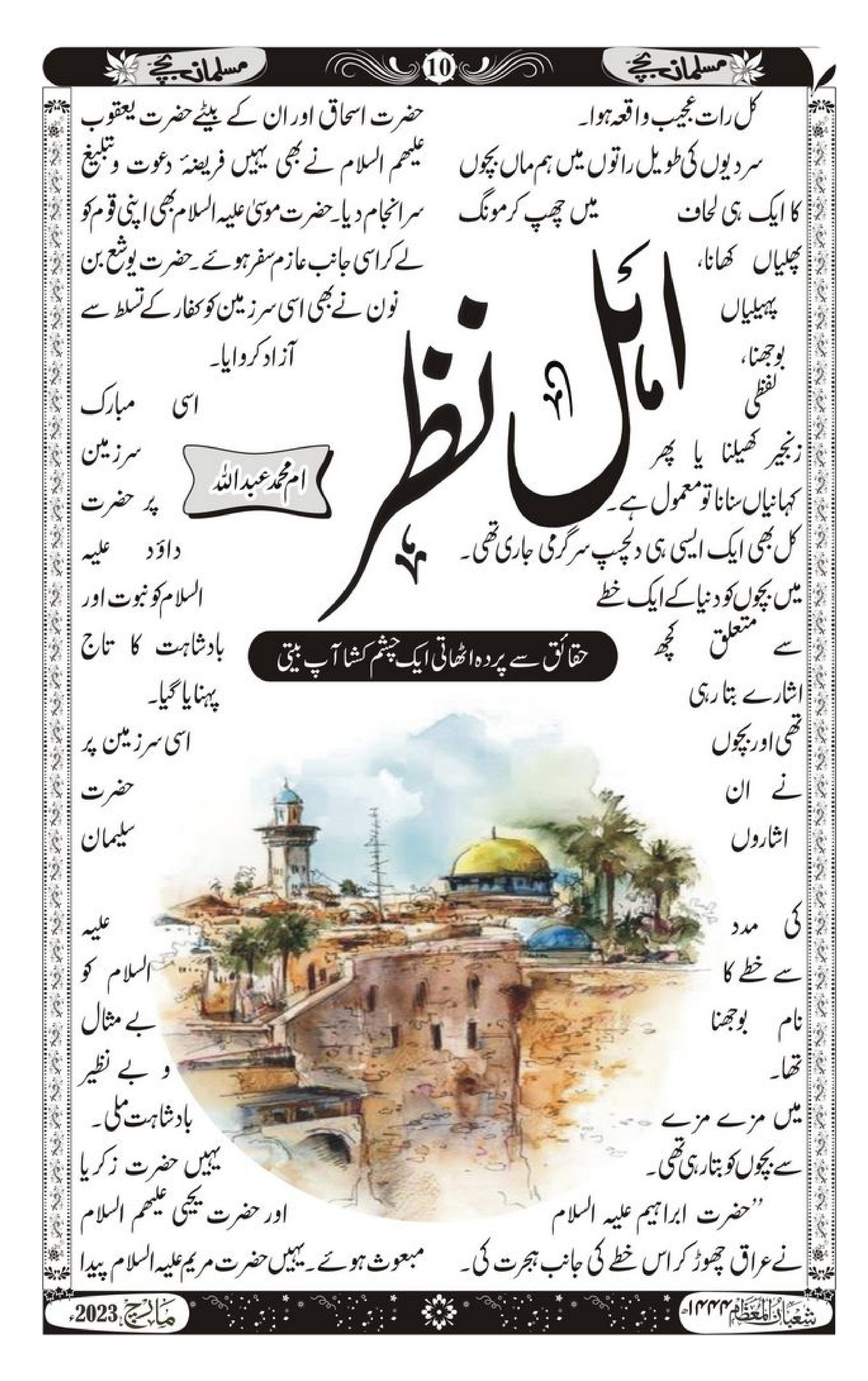
آپ کا بھائی جان

ابواسامہ

اہلِ نظر

حقائق سے پردہ اٹھاتی ایک چشم کشا آپ بیتی

ام محمد عبداللہ



کل رات عجیب واقعہ ہوا۔

سردیوں کی طویل راتوں میں ہم ماں بچوں کا ایک ہی لحاف میں چھپ کر مونگ پھلیاں کھانا، پہیلیاں بوجھنا، لفظی زنجیر کھیلنا یا پھر کہانیاں سنانا تو معمول ہے۔

کل بھی ایک ایسی ہی دلچسپ سرگرمی جاری تھی۔ میں بچوں کو دنیا کے ایک خطے سے متعلق کچھ اشارے بتا رہی تھی اور بچوں نے ان اشاروں کی مدد سے خطے کا نام بوجھنا تھا۔ میں مزے مزے سے بچوں کو بتا رہی تھی۔

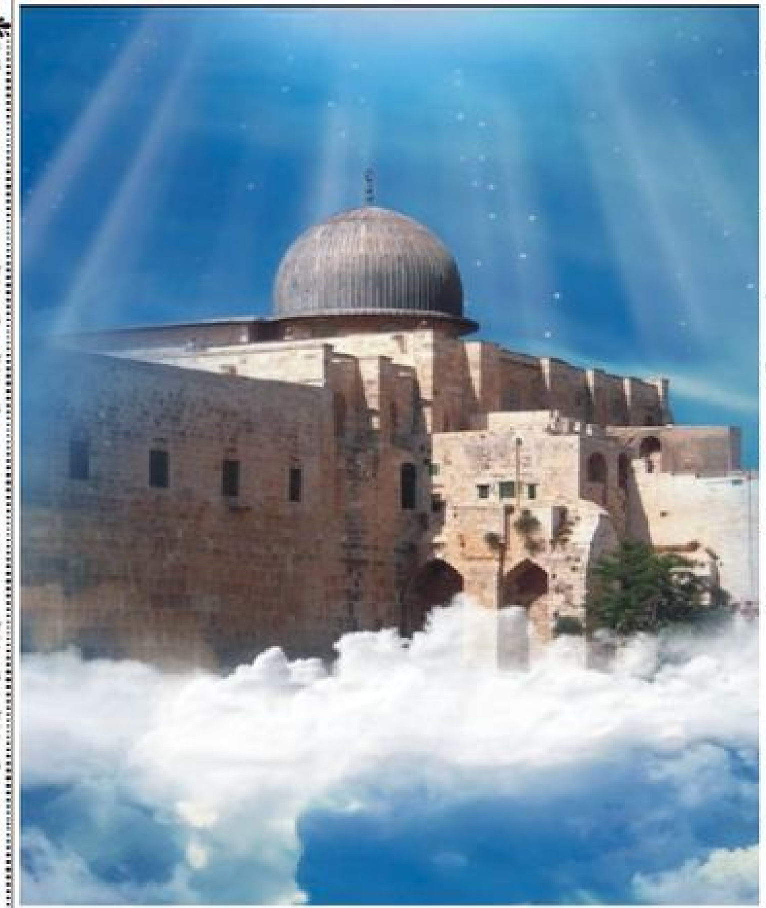
”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق چھوڑ کر اس خطے کی جانب ہجرت کی۔ حضرت اسحاق اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیھم السلام نے بھی یہیں فریضۂ دعوت و تبلیغ سرانجام دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنی قوم کو لے کر اسی جانب عازم سفر ہوئے۔ حضرت یوشع بن نون نے بھی اسی سرزمین کو کفار کے تسلط سے آزاد کروایا۔

اسی مبارک سرزمین پر حضرت داوٗد علیہ السلام کو نبوت اور بادشاہت کا تاج پہنایا گیا۔

اسی سرزمین پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بے مثال و بے نظیر بادشاہت ملی۔

یہیں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیھم السلام مبعوث ہوئے۔ یہیں حضرت مریم علیہ السلام پیدا

ہوئیں اور یہیں بن باپ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے۔
اسی سرزمین کے ایک بابرکت مقام پر رات کے کسی لمحے میں ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو لایا گیا اور آپ کی اقتدا میں تمام پیغمبران کرام کو جمع کر دیا گیا۔
میں مکمل تاثرات اور آواز کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ بچوں کو واضح واضح اشارے دے رہی تھی۔
بچے بھی آنکھیں مٹکا مٹکا کر خوب دلچسپی سے سن رہے تھے کہ میرے منجھلے شہزادے پیارے عبید سے رہا نہیں گیا اور وہ جوش سے بول اٹھا۔
"ارض فلسطین"
"مگر اماں! فلسطین ہے کہاں؟" میرے چھوٹے شہزادے حارث نے سوال کیا۔
فلسطین کہاں ہے؟ میں سوچ رہی تھی کہ کیسے جواب دوں کہ میرا بڑا شہزادہ عبداللہ جھٹ سے دنیا کا نقشہ جو ہم نے فریم کروا کے راہداری میں لگا رکھا تھا، اتار لایا۔
نقشہ قالین پر رکھنے کے بعد ملکہ عالیہ اور سب شہزادے مل کر اس پر انبیاء اکرام کی سرزمین فلسطین تلاش کرنے لگے۔
مگر یہ کیا؟
عجیب واقعہ!!!
نقشے پر کہیں فلسطین کا نام نہیں لکھا تھا۔
"اماں! کیا یہ نقشہ پاکستان میں نہیں چھپا؟" عبید نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں چھپا تو پاکستان میں ہی ہے۔" میں خود حیران تھی۔ اتنے اہم ملک کا نام نقشے پر کیوں نہیں؟ پرنٹنگ والوں سے اتنی بڑی غلطی۔ میں سوچ میں پڑ گئی۔
"ٹھہریں! گوگل پر سرچ کرتے ہیں۔"
عبداللہ نے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا اور سامنے ویکی پیڈیا پر کچھ یوں نمودار ہوا:
دولت فلسطین یا ریاست فلسطین ایک محدود تسلیم شدہ خود مختار ریاست ہے جس کی آزادی کا اعلان 15 نومبر 1988ء کو تنظیم آزادی فلسطین اور فلسطینی قومی کونسل نے کیا تھا۔
محدود تسلیم شدہ ریاست؟
آزادی کا اعلان 1988؟
بچوں کے پاس سوال ہی سوال تھے۔
اور میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا کہ میرے شہزادوں کی سلطنت، ان کی میراث انبیاء کی سرزمین فلسطین کا نام ہمیں نقشوں میں لکھا کیوں دکھائی نہیں دے رہا؟ اور یہ استاد گوگل کیا فرما رہے ہیں؟
میں نے قالین پر پڑے نقشے کو گھورا جیسے میرے گھورنے سے اس پر فلسطین کا نام نمودار ہو جائے گا۔
"پتا نہیں کیوں اس پر ہمیں فلسطین نظر نہیں آ رہا؟ میں نے کندھے اچکائے۔



"اور سر گوگل بھی کچھ عجیب ہی بتا رہے ہیں۔" عبداللہ بھی پریشان تھا۔

"کیونکہ ہمارے بیدار دشمن یہود نے اس کا نام نقشوں میں اسرائیل رکھ لیا ہے اور ہم غافل مسلمانوں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی اور کیوں کر ہوتی کہ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن اور حدیث میں بابرکت زمین سے مراد یہی فلسطین اور اس کے آس پاس کا علاقہ ہے۔"

ہمارے بادشاہ سلامت یعنی بچوں کے ابا جان نے گفتگو میں پہلی دفعہ حصہ لیا جو بظاہر ہم سے بے خبر اپنے لحاف میں دبکے ہوئے تھے۔

"کیا مطلب؟"

ہم سب ان کی جانب متوجہ ہوئے۔

"مطلب یہ کہ یہ سارا فلسطین ہے۔"

انہوں نے نقشے پر اپنی انگلی پھیری۔ وہ اب اٹھ کر ہمارے پاس ہی آبیٹھے تھے۔

"اور 1949 سے پہلے تک بھی یہ سارا علاقہ فلسطین ہی کہلاتا تھا۔

اور کیوں نہ کہلائے کہ ہزار ہا سالوں سے فلسطین، عرب قبائل کا وطن ہے۔ ہاں اس ہزار سالہ تاریخ میں چند سو برس یہاں یہود بھی تخت اقتدار پر براجمان ہوئے۔

پھر ہوا کچھ یوں کہ پہلی عالمی جنگ میں صیہونی یہودیوں اور برطانیہ نے ایک خفیہ گٹھ جوڑ کے ذریعے دنیا کے کونے کونے سے یہودیوں کو لا کر ارض فلسطین پر اکٹھا کیا۔

یورپ سے لائے گئے ان یہودی غاصبوں نے یہاں اپنے قدم جمانے شروع کیے۔

یہود و نصاریٰ کے حقوق کا تحفظ کرنے والی اقوام متحدہ نے یہود کی چند سو برس کی حکمرانی کو جواز بنا کر اور عرب مسلم قبائل کی کئی ہزار سال حکمرانی کو پس پشت ڈالتے ہوئے ساڑھے بارہ لاکھ مقیم مسلمان فلسطینیوں کو فلسطین کا 45 فی صد رقبہ جبکہ ساری دنیا سے اکھٹے کر کے لائے گئے چھ لاکھ یہودیوں کو 55 فی صد علاقہ بخش دیا اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس پینتالیس فیصد حصے پر بھی انہیں

سکون کا سانس نہیں لینے دیا جاتا۔ آئے روز ان پر شب خون مار کر ان کو احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ اپنے وطن میں رہ کر بھی اجنبی ہیں۔

مسلم دشمن عالمی طاقتوں کی پشت پناہی پر ہزاروں سالوں سے آباد فلسطینی مسلمانوں کو جبراً ان کے گھروں سے بے دخل کر کے کیمپوں میں منتقل کر دیا گیا۔

اس سارے گھناؤنے کھیل میں ہنستے بستے فلسطینی مسلمانوں کے گھر، کھیت کھلیان، باغات، کاروبار اور دفاتر غرض سب کچھ اجاڑ دیا گیا اور اجاڑا جا رہا ہے۔

فلسطینی مسلمانوں جس میں بچے بوڑھے مرد عورتیں سب شامل ہیں کا خون پون صدی سے پانی کی طرح نہایت بے دردی سے بہایا جا رہا ہے کیونکہ اسرائیل ایک توسیع پسند ملک ہے۔ عرب ممالک کے ساتھ جنگیں چھیڑ کر اب تک اسرائیل پورا فلسطین اور بیت المقدس اپنے قبضے میں لے چکا ہے۔

اب یہ حصہ غزہ کی پٹی Ghaza Strip اور مغربی کنارہ West Bank ہی فلسطین کہلاتا ہے جبکہ باقی سب اسرائیل کے نام سے مشہور کر دیا گیا۔ مزید علاقوں پر قبضے کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔ دنیا کے نقشے پر تو آپ کو شاید ہی کبھی فلسطین لکھا ملے۔"

ہم سب آنکھیں پھاڑے ایک عظیم حادثے و سانحے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جی ہاں دیکھا جائے یہ ایک اکیسویں صدی کا سب سے بڑا حادثہ تھا۔ اور حادثہ بھی ایسا کہ جس کی خبر بھی کسی کو نہیں۔ خصوصاً ہم مسلمان اس خطے کی تاریخ اور اسرائیل کے جبر و تسلط سے بالکل نا آشنا ہیں۔

بچوں کے والد صاحب پھر گویا ہوئے۔

"اسرائیلی فوج نہتے فلسطینیوں کو کچلنے کے لیے مسلسل سرگرم ہے۔ پوری دنیا سے یہودی اکٹھے کر کے فلسطین میں بسانے اور فلسطینیوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کے جرم میں وہ سب یورپی ممالک شامل ہیں جہاں جانوروں کے حقوق پر تو بہت بات ہوتی ہے لیکن فلسطینیوں کی دادرسی کرنے والا کوئی نہیں۔

اسرائیل چاہے بم برسائے، ناکہ بندی کرے، فلسطینیوں کی نسل کشی کرے، ان کا معاشی قتل کرے، دیوار کی تعمیر کرے، مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کرے یا کوئی بھی انسانیت سوز ظلم ڈھائے اسے کوئی روکنے والا ہے نہ باز پرس کرنے والا۔ اسی لیے ہزاروں جانیں گنوانے اور باعزت و پر سکون زندگی کے لیے ترستے فلسطینی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔"

انہوں نے دکھ سے بتایا۔

"اتنی بڑی دھاندلی اتنا بڑا ظلم!"

میں تو چیخ ہی پڑی۔

"اور سارا عالم اسلام خاموش ہے؟ انسانی

حقوق کی تنظیمیں کہاں ہیں؟"

بچے بھی حیران و پریشان بیٹھے تھے۔

انہوں نے گہرا سانس لیا اور گویا ہوئے۔

"سارا عالم اسلام اس لیے خاموش ہے کہ ہم فرقوں، نسلوں، قوموں اور وطنوں میں بٹ چکے ہیں۔ ہماری مصروفیت دو وقت کی روٹی کمانے اور فراغت علاقائی سیاست، عالمی شوبز اور کھیل کے ہنگاموں کی نذر ہو چکی ہے۔

انسانی حقوق کی تنظیمیں کیونکر بولیں گی کہ سارا میڈیا اسرائیل کے قبضے میں ہے۔ وہ جھوٹ پر جھوٹ بول کر سچ کو منوں مٹی تلے دفن کر رہے ہیں کہ فلسطین ایک بے آب و گیاہ زمین تھی جسے انہوں نے آکر اپنے علم و ہنر سے آباد کیا۔

اور ہم سچ کو سچ کہہ کر دنیا تو کیا اپنے سامنے بولنے پر بھی تیار نہیں۔ موجودہ دور علم اور ابلاغ کا دور ہے۔ میڈیا ذہن سازی کرنے اور جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کر رہا ہے۔ ایسے میں اگر کچھ مردان علم و نظر اس میدان میں سچ و حق سے لیس ہو کر اتر آئیں۔

عامتہ المسلمین کے سامنے ارض فلسطین اور مسجد اقصیٰ کی اہمیت و فضیلت رکھیں اور دنیائے عالم کے سامنے فلسطینیوں کی مظلومیت اور اسرائیل کی جارحیت کا واضح نقشہ کھینچ دیں اور ہر ہر فورم پر اہل فلسطین کے لیے آواز اٹھائیں تو اسرائیلی جارحیت کو پسپا کیا جا سکتا ہے۔

فلسطینیوں کو ان کی چھینی ہوئی ریاست واپس مل سکتی ہے اور مسلمانوں کی مشترکہ میراث مسجد اقصیٰ کو تحفظ بھی فراہم کیا جا سکتا ہے۔

مگر کون آواز اٹھائے کہ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

وہ لمحہ بھر کے لیے سر جھکائے خاموش ہوئے تو میں اپنے فون کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"ملکہ عالیہ! آپ کہاں فون میں مگن ہو گئیں۔" مجھے فون پر کچھ ٹائپ کرتے دیکھ کر انہیں حیرانی ہوئی۔

"میں نے آن لائن ایک ایسی کتاب کا آرڈر دیا ہے جس میں فلسطین کے متعلق مکمل تاریخ اور فضیلت کے متعلق آگاہی دی گئی ہے۔ میں اور بچے مل کر یہ کتاب پڑھیں گے ان شاء اللہ۔" میں نے اعلان کیا۔

مطالعے کے شوقین میرے بچے اس اعلان پر بہت مطمئن تھے۔ ان کے دل اہل فلسطین کے دکھ میں تڑپ رہے تھے اور آنکھیں ان کی مدد کے خواب بن رہی تھیں۔

اور مجھے اقبال رحمہ اللہ کا وہ شعر یاد آ رہا تھا۔

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
میری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد



چار بونوں کی کہانی جو محنت کرنا نہیں جانتے تھے

آسمانی گھوڑا

عطاء السلام سحر

ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ پہاڑوں کے دامن میں چھوٹے چھوٹے گھر جو لکڑی کے تختوں سے بنے ہوئے تھے بہت ہی دل کش اور خوبصورت نظر آتے تھے۔

چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ روزانہ ان کی آمدورفت کا نظارہ کرتے تھے۔

بونے صبح سویرے اپنے گھروں سے باہر نکل کر اپنا کام کاج کرتے اور پیٹ پوجا کرتے تھے۔

پرستان کی ملکہ ہر ایک بونے کے ذمے جو کام لگاتی تھی وہ شام تک اسے پورا کرتا تھا۔

ٹینوں، مینوں، پھینوں اور دینوں کام تو کرتے تھے مگر! اکثر کام سے کنی کتراتے تھے۔

کئی مرتبہ اُن کی شکایت ملکہ کو ملی کہ وہ کام چور ہیں۔

ملکہ نے اُنھیں بارہا سمجھایا کہ اپنے ذمے کا کام کیا کرو ورنہ! نتائج کچھ اچھے نہیں ہوں گے۔ وہ ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے باہر

نکال دیتے تھے۔

☆☆☆☆☆

آسمان پر کالے بادل بہت تیزی کے ساتھ چھانے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ ملکہ اور سبھی بونے اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ باہر کا منظر دیکھ کر اندازہ لگا رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔

"میرے خیال سے طوفانی آندھی اور تیز بارش کا قوی امکان ہے۔" ملکہ نے پرستان کی دیکھ بھال کرنے والے ماجو بونے سے کہا۔

"ہو سکتا ہے، آسمان پر چھائے بادلوں سے تو یہی آثار نظر آتے ہیں۔" ماجو نے جواباً کہا۔

"آپ سب باہر پڑے ضروری سامان کو اپنے اپنے گھروں کے اندر سمیٹ لیں۔ اگر خدانخواستہ! بارش ہوئی بھی تو سامان کا نقصان نہیں ہوگا" ملکہ نے احتیاطی طور پر اُنھیں آگاہ کرتے ہوئے کہا اور اپنی آرام گاہ کی طرف تشریف لے گئیں۔

کوئی بیس، پچیس منٹ ہی گزرے تھے کہ آسمان سرخ ہو گیا اور تیز آندھی شروع ہو گئی۔ ہوا کی سنسناہٹ سے ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ہوا میں کوئی شے آپس میں بڑے خوف ناک انداز میں ٹکرا رہی ہو۔ سب بونے اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے اور اس پر خطر طوفانی آندھی کے رکنے کی دعا کرنے لگے۔

اچانک زوردار کھڑاک کی آواز پیدا ہوئی اور طوفانی آندھی جونٹی کے گھر کی چھت اُڑا کر لے گئی۔ چھت پر رکھا شہتیر جونٹی کے سر پہ آ گرا۔ وہ سر پہ چوٹ لگنے سے شدید زخمی ہو گیا۔ اُس کے سر میں سے خون فوارے کی طرح پھوٹ پڑا۔ کچھ دیر بعد آندھی بھی رک گئی تھی۔ سب بونے اپنے گھروں سے باہر نکلے تاکہ پتہ چلے کہ کھڑاک کی آواز سے کیا ٹوٹا تھا۔

جونٹی کا گھر کچھ فاصلے پر تھا۔ جب وہ باہر نکلے اور دیکھا تو جونٹی کے گھر کی چھت غائب ہو چکی تھی۔ وہ فوراً اس کی طرف بھاگے۔ جونٹی خون میں لت پت فرش پر پڑا ہوا تھا۔

اُنھوں نے جلدی سے اُس کی مرہم پٹی کی اور اسے پانی پلانا چاہا تو یاد آیا کہ پانی تو کسی کے گھر میں موجود ہی نہیں ہے۔ چشمے سے پانی لانے کی باری تو آج ٹینوں، مینوں، پھینوں اور دینوں کی تھی۔ وہ تو پانی بھر کے لائے ہی نہیں تھے۔ کسی کو پیاس نے ستایا ہی نہ تھا۔ اس لیے ان کے ذہن سے پانی بھرنے کے بات ہی اتر گئی۔ اتنے میں ملکہ بھی جونٹی کے گھر تک آ گئی تھی۔

"اُف! یہ تو بہت زخمی ہو چکا ہے۔ کافی سارا خون بہ گیا ہے۔ مرہم پٹی تو ہو چکی ہے۔

ماجو! جلدی سے جاؤ میری آرام گاہ سے لال سفوف اُٹھا کر لاؤ اور اس کے زخم پر چھڑک دو، اسے پانی بھی پلاؤ!" ملکہ نے جونٹی کی حالت کو

دیکھتے ہوئے ماجو سے کہا۔
"سفوف تو میں لے آتا ہوں، مگر! پانی کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ ملکہ عالیہ! صرف وہی ایک بوتل پانی تھا جو آپ نے دوپہر سے پہلے منگوایا تھا۔" ماجو نے جواب دیا۔
"آج کس کی باری تھی پانی لانے کی؟" ملکہ نے پوچھا۔
"ان چار کام چوروں کی جو ابھی تک اپنے کمروں سے باہر نہیں نکلے" ماجو نے جواب دیا۔
"جلدی بُلاؤ! اُنھیں اور جائیں پانی بھر کے لے آئیں۔" ملکہ نے کہا۔
"کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ اپنا کام وقت پر کیا کرو۔ کب تک ایسا کرتے رہو گے؟ کیوں آپ محنت سے جان چھڑاتے ہو؟" ملکہ نے سخت لہجے میں کہا۔
"دوبارہ اگر آپ کی شکایت ملی تو میں تمھیں پرستان سے باہر نکال دوں گی۔ جاؤ اور جلدی واپس آنا" ملکہ نے اُنھیں جھاڑ پلاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆☆

"دیکھا! ملکہ کس طرح لال، پیلی ہو رہی تھی۔ اُس کے نتھنے بھی وقفے وقفے سے پھول رہے تھے۔" میٹوں نے ٹینوں کو مخاطب کر کے کہا۔
"ارے! کچھ نہیں ہوتا۔ ہم ایسے ہی رہیں گے۔ کام کرنا نہیں، بھوکے مرنا نہیں۔ ہم تو بس! پلنے کے لیے ہیں، گلنے کے لیے نہیں۔" پھلینوں اپنا سینہ چوڑا کرتے ہوئے کہنے لگا۔

☆☆☆☆☆

وہ آہستہ آہستہ پہاڑی کے اوپر چڑھ رہے تھے۔ پہاڑی کی دوسری طرف صاف پانی کا چشمہ تھا۔ پرستان کے بونے وہی پانی استعمال کرتے تھے۔ وہ جوں ہی پہاڑی کی دوسری طرف پہنچے تو اُنھیں دو ٹیڑھے میڑھے سینگوں والا جانور نظر آیا۔ وہ پہلی مرتبہ اس جانور کو دیکھ رہے تھے۔ چشمے سے کچھ فاصلے پر وہ گھاس چر رہا تھا۔
"ہم آج اس نئی نویلی بَلا کو کو پکڑ کر ملکہ کے حضور پیش کریں گے۔ ہماری سابقہ غلطیاں بھی نظر انداز کر دی جائیں گی اور ہمیں کارنامہ سرانجام دینے پر بھی کافی عزت ملے گی۔" ٹینوں نے اپنے باقی ساتھیوں سے کہا۔
"اچھا مشورہ ہے۔ ایسا ہی کرتے ہیں" دینوں نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔
وہ اُس جانور کو پکڑنے کے لیے آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھنے لگے۔ اس نے جوں ہی چاروں بونے اپنی طرف آتے دیکھے تو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ کافی دیر تک اُس کے پیچھے بھاگتے رہے، مگر! اُسے پکڑ نہ سکے۔ بھاگ بھاگ کر ان کا سانس کافی حد تک پھول چکا تھا۔ جسم پسینے سے شرابور تھا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اُنھیں یاد آیا کہ ملکہ نے تو کہا تھا جلدی واپس آنا۔ وہ فوراً اُٹھے اور چشمے کی طرف چل دیے۔ جلدی سے پانی بھرا

اور پرستان کی طرف چل پڑے۔

☆☆☆☆☆☆☆

جونٹی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جان کی بازی ہار گیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شاید! پانی پلانے سے جونٹی کی طبیعت کچھ سنبھل جاتی۔ مگر! چاروں کام چور گئے اور ایسے غائب ہو گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ وہ جوں ہی پرستان میں داخل ہوئے تو ملکہ کا جلال اپنے عروج پر تھا۔

"آپ سے کہا تھا نا جلدی واپس آنا؟ جونٹی جان کی بازی ہار گیا۔ وہ بھی صرف تمھاری وجہ سے۔ پانی اُس طرف رکھ دو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے! ابھی اور اسی وقت!" ملکہ نے چاروں بونوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"ماجو! اِنھیں پرستان کی حدود سے باہر نکال کر واپس آجاؤ! میں ان کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتی" ملکہ نے غصے کی آگ میں دہکتے ہوئے چہرے کو دوسری طرف پھیرتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆☆

پرستان سے نکالے جانے کے بعد وہ پھرتے پھراتے ایک گاؤں میں جا پہنچے۔

کسان اپنے رقبے پر گندم کا بیج ڈال رہا تھا۔ وہ حیران تھے کہ پتا نہیں یہ کیا کر رہا ہے۔ بوری میں ہاتھ ڈالتا ہے اور فضا میں لہراتا ہے۔ بوری میں ہاتھ ڈالتا ہے اور پھر فضا میں لہراتا ہے۔

وہ چلتے چلتے ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں جا بیٹھے۔ وہاں قریب سے گزرنے والے چند بچوں نے اُنھیں دیکھا تو بھاگ کر گاؤں سے اور بچے بھی ساتھ لے آئے کہ ایک نئی مخلوق ہمارے گاؤں میں آئی ہوئی ہے۔

چاروں بونے بھوک سے نڈھال ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے بچوں سے کچھ کھانا مانگا۔ وہ اُنھیں اپنے بڑوں کے پاس لے گئے تاکہ نئے آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر تواضع کر سکیں۔ وہاں جا کر اُنھوں نے خوب جی بھر کے کھانا کھایا اور اپنا سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ نہیں بتایا کہ ہمیں پرستان سے کیوں نکالا گیا ہے۔ وہ اُن کے سامنے خود کو بڑا مظلوم بنا کر پیش کرنے لگے۔

گاؤں والوں نے کچھ دن تو اُنھیں مہمان سمجھا اور خوب خدمت کی۔ جب دیکھا کہ یہ تو واپس جانے کا نام ہی نہیں لے رہے اور الٹا اناج کے دشمن بنے بیٹھے ہیں۔ تو پھر اُنھوں نے بھی چلتا کیا۔ بونے کچھ دور جا کر پھر لوٹ آئے اور ایک بڑے بزرگ کی منت سماجت کی کہ ہم آپ کے ساتھ کام کریں گے، بس! ہمیں کھانا دے دیا کریں۔ اُس نے گاؤں سے کافی دور بنجر پڑی زمین آباد کرنے کے لیے اُنھیں دے دی۔ کچھ کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ دیا جو شاید! بیس، پچیس دن تک کا تھا۔

☆☆☆☆☆

چاروں بونے وہاں پہنچے اور زمین کاشت

کرنے کی ٹھان لی۔ زمین وغیرہ تیار کی اور یہ فیصلہ باقی تھا کہ اب زمین میں کیا بویا جائے؟ بالآخر! چاروں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ ہم چینی کاشت کریں گے۔ چند ماہ بعد ہم ڈھیروں منافع کمائیں گے۔ کیوں کہ انھیں چینی بہت پسند تھی۔ دینوں پرستان سے نکالے جانے کے وقت کچھ رقم اپنے گھر سے چرا لایا تھا۔ اُنھوں نے بازار جا کر چینی خریدی۔ واپس آ کر کھیت میں پانی لگایا اور چینی اس میں ڈال دی۔

☆☆☆☆☆

"یار دینوں! آج دسواں دن گزر گیا ہے۔ چینی تو کھیت میں کہیں سے بھی اُگی ہوئی نظر نہیں آئی۔ آخر ماجرا کیا ہے؟'' ٹینوں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ہاں! بات آپ کی بھی ٹھیک ہے۔ ویسے اتنے دن لگتے تو نہیں ہیں۔ چوتھے، پانچویں دن تو اسے اُگنا چاہیے تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا مزید کچھ دن انتظار کرتے ہیں" ٹینوں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆☆

چاندنی رات اپنے جوبن پر تھی۔ چاند کی دل لبھانے والے روشنی چہار سُو پھیلی ہوئی تھی۔ کھیت میں تازہ پانی لگا ہوا تھا۔ پانی کے اندر چاند کی روشنی منعکس ہو کر پورے کھیت کو روشن کیے ہوئے تھے۔ دینوں رات کے پچھلے پہر کھیت کے ساتھ ایک کونے میں بنے کمرے سے باہر نکلا تو حیران رہ گیا۔ ایک عجیب وغریب گھوڑا جس کے دو بڑے بڑے پَر تھے، کھیت کے ایک کونے میں سر جھکائے پانی پی رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ اُس کے قریب جانے لگا۔ گھوڑے کی نظر جوں ہی دینوں پر پڑی تو وہ پر پھڑ پھڑاتے ہوئے آسمان کی طرف اُڑ گیا۔ دینوں اُسے غور سے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ اُڑتے اُڑتے اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ دینوں نے صبح سویرے سارا حال اپنے ساتھیوں کے گوش گزار کر دیا۔

"ہمیں مل کر رات کے وقت پہرہ دینا ہوگا۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ ہماری ساری فصل اسی گھوڑے نے ہی اُجاڑی ہے" ٹینوں نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا خیر! آج رات ہم پہرہ دیں گے۔ اگر وہ گھوڑا دوبارہ آیا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اصل میں سب کیا دھرا اسی گھوڑے کا ہی ہے۔" مینوں نے اپنی بات ان کے سامنے رکھی۔

☆☆☆☆☆

وہ چاروں ایک کونے میں چھپے گھوڑے کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ رات کے تقریباً بارہ بج چکے تھے۔ گھوڑا ابھی تک نہیں آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ہنہنانے کی آواز محسوس ہوئی۔

بقیہ صفحہ: 76

میں مجرم کیسے بنا؟

تسلیمہ موسیٰ

انسپکٹر وقاص احمد لاک اپ میں بند ۱۸ سالہ مجرم لڑکے سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔

"ہاں بھئی کیا نام ہے تمہارا؟"

وہ لڑکا انسپکٹر وقاص احمد کو دیکھنے لگا، پھر وہ چہرہ دوسری طرف پھیر کر بولا۔

"کاشان سمیع ہے میرا نام"

"ہوں کاشان سمیع، تم نے اپنے مالک پر قاتلانہ حملہ کیوں کیا؟ تم جانتے بھی ہو کہ اگر وہ لوہے کی سیخ کی ضرب تیزی سے لگ جاتی تو وہ مر بھی سکتا تھا۔"

"ہاں تو مرجاتا ناں، میں نے حملہ بھی تو اسی لیے کیا تھا۔"

"اور پھر تم جانتے ہو؟ قتل کرنے کے جرم میں تمہیں سزا ہو جاتی؟"

"ہاں ہو جاتی ناں، ایسی زندگی کا کیا فائدہ؟ جب میرا کوئی رہا ہی نہیں" کاشان گھٹنوں میں چہرہ



چھپا کر رو پڑا۔

انسپکٹر وقاص احمد ایک نرم دل انسان تھا، اسے کاشان سے ہمدردی ہو رہی تھی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر وہ کیوں مجرم بنا؟ اور کیا وجہ تھی جس نے اسے مجرم بننے پر مجبور کیا۔ انسپکٹر وقاص احمد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ کون سی وجہ تھی جس نے تمہیں مجرم بننے پر مجبور کیا؟ کیا پتہ میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں اور ویسے بھی یہ کیس اتنا سنگین نہیں ہے، تمہارا مالک حشمت علی بچ گیا ہے''

''آپ جاننا چاہتے ہیں تو سنیں کہ میں مجرم کیسے بنا؟ ہمارا گھرانہ چار لوگوں پر مشتمل تھا۔ ابو، امی، باجی اور میں۔ ابو مزدور آدمی تھے۔ میں ایک سرکاری سکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ باجی کو سانس لینے میں دشواری کا سامنا ہوتا تھا اور اماں بھی ٹی بی کی مریضہ تھیں۔

غربت کیساتھ ساتھ بیماری نے بھی ہمارے گھر پر ڈیرہ جما رکھا تھا۔ ابا نے سوچا کہ وہ مجھے پڑھا لکھا کر بڑا افسر بنائیگا۔ مگر ابا کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ جب تک ابا زندہ تھے اماں اور باجی کا علاج بھی ہوتا رہا، مگر پھر ابا کے جانے کے بعد سب کچھ ختم ہوگیا''

یہ کہتے ہوئے کاشان کی آنکھیں بھر آئیں۔

''کیا ہوا تھا تمہارے ابو کو؟''

''ابا! باقی مزدوروں کیساتھ ایک عمارت کی تعمیر کا کام کر رہے تھے، وہ دوسری منزل پر تھے کہ اچانک ان کا پاؤں پھسلا اور وہ نیچے رکھی اینٹوں کے ڈھیر پر آ گرے، اینٹوں پر گرنے کے وجہ سے ابا کا سر پھٹ گیا اور وہ موقع پر ہی دم توڑ گئے، ابا کی وفات کے بعد ہم بالکل اکیلے ہوگئے، رشتہ داروں میں سے کسی نے بھی ہمارا ناں پوچھا۔

میں نے بمشکل میٹرک پاس کیا تھا گھر کا خرچہ اور امی اور باجی کی دوائی اب میرے ذمہ تھی۔ میں کام کرنے کے لئے اور حلال روزی کمانے کے لئے قریبی گیراج میں جا کر کام کرنے لگا۔

گیراج کا مالک حشمت علی معمولی معمولی سی بات پر مجھے ڈانٹتا، مجھے مارتا، اس لیئے کہ میرا کوئی نہیں تھا۔ اماں کی دوائیاں ختم ہوگئی تھیں، میرے پاس پیسے نہیں تھے کہاں سے لاتا؟

اماں تڑپ رہی تھی، میں نے مالک سے جا کر کچھ ادھار مانگا مگر اس نے دینے سے انکار کر دیا اور مجھے گالیاں سنانے لگا، دو تین تھپڑ بھی مارے اور میں گھر آ گیا۔

میں نے اپنی آنکھوں سے اماں کو تڑپ تڑپ کر مرتے ہوئے دیکھا، کسی نے میری مدد نہیں کی اور یوں ایک دن میری اماں بھی مرگئی۔

میں نے پھر بھی خود کو سنبھالا کیونکہ میری باجی کو میری ضرورت تھی، میں پھر سے کام پر جانے لگا میرا مالک مجھ سے بہت زیادہ کام لیتا تھا اور معاوضہ بھی کم ہی ادا کرتا تھا۔

ایک دن باجی کی طبعیت بہت خراب تھی، باجی کو میری ضرورت تھی مگر مالک نے مجھے زبردستی کام پر بلوالیا،میرادل میرادھیان باجی کی طرف لگا ہوا تھا۔میں بے دھیانی میں کام کررہا تھا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور ذراسی غلطی پر مالک نے مجھے بے دردی سے پیٹ ڈالا۔کسی نے بھی مجھے ناں چھڑایا، مالک نے مجھے کام سے بھی فارغ کردیا۔

وہاں موجود لوگ سب مجھ پر ہنس رہے تھے۔ کسی کو بھی مجھ پر ترس ناں آیا۔میں اس وقت صبر کا گھونٹ پی کر گھر آگیا مگر گھر آکر جو میں نے منظر دیکھا،میرے دل میں حشمت علی سے انتقام لینے کی آگ بھڑک اٹھی۔

باجی میری راہ تکتے تکتے اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔میں اکیلا رہ گیا تھا کسی کو بھی مجھ پر ترس ناں آیا اور ناں کسی نے میرے سر پر دستِ شفقت رکھا۔میں حشمت علی کی تاک میں رہا کہ کب مجھے موقع ملے اور میں اس سے بدلہ لوں۔

ایک دن مجھے موقع مل گیا۔سخت سردیاں تھیں۔دھند پھیلی ہوئی تھی۔میں نے حشمت علی کا اس کے گھر سے پیچھا کیا اور پھر گیراج تک اس کے پیچھے آیا۔میں نے ایک سیخ اٹھائی اور ایک رکشے کے پیچھے چھپ گیا۔

میں اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔وہ جونہی ادھر سے گزرا میں نے پوری قوت کیساتھ اس کے سر پر ضرب لگائی مگر اس کی قسمت اچھی تھی، چیخوں کی آواز سن کر سب اس طرف بھاگے۔ میں ڈر گیا میں نے سیخ پھینک دی۔لوگوں نے مجھے پہچان لیا اور مجھے پکڑ کر پولیس کے حوالے کردیا۔

انسپکٹر صاحب! یہ ہے میری کہانی کہ میں مجرم کیسے بنا؟

اگر ابا کی وفات کے بعد قریبی رشتہ دار میرے سر پر ہاتھ رکھتے۔میری اچھے طریقے سے پرورش کرتے تو میں غلط راستے پر ناں جاتا اور ناں آج میں مجرموں میں شمار کیا جاتا۔اگر آج میں مجرم ہوں تو میں اکیلا تو قصوروار نہیں ہوں، بلکہ وقت اور معاشرے کے ان بے حس لوگوں نے مجھے مجرم بنانے میں اہم کردارادا کیا۔

آپ مجھے جو سزادینگے مجھے منظور ہے۔مجھے کوئی گلہ نہیں ہے اور ناں میں رہائی چاہتا ہوں۔“

یہ کہہ کر کاشان دوسری طرف چہرہ کرکے لیٹ گیا۔

انسپکٹر وقاص احمد خود ایک باپ تھا۔اسے کاشان کی کہانی سن کر بے حد افسوس ہوا تھا۔وہ حشمت علی سے ملا اور اسے کاشان کو معاف کرنے کا کہا مگر وہ انکاری تھا۔تبھی وقاص احمد نے اپنا آخری حربہ آزمایا۔

”حشمت صاحب! کیس آپ پر بھی بن سکتا ہے۔وہ ایسے کہ آپ نے اس معصوم بچے پر ظلم کیا، اس کی طاقت سے زیادہ کام لیا۔اسے بے دردی سے مارا، گواہ موجود ہیں، ایسا ناں ہو کہ اسے سزا



خیال رکھیے کہیں آپ کا ان سے کوئی واسطہ تو نہیں۔
ایک طنزیہ خوبصورت کہانی

چھو منتر

پوری بستی میں کوئی بھی اسے منہ لگانا پسند نہیں کرتا تھا سبھی اس سے بیزار اور متنفر تھے۔

ایک میں ہی تھا جس سے اس کی بنتی تھی، لوگوں کا خیال تھا کہ میں بہت خلیق اور ملنسار ہوں لیکن حقیقت یہ تھی کہ مجھ میں اسے دھتکارنے کی ہمت نہ تھی۔

ٹھہریے! یوں بات نہیں بنے گی، پہلے میں آپ کو اس کا تعارف کروادوں۔

نام دلاور، کالا سیاہ رنگ، قوی الجثہ، اکھڑ مزاج اور کھردرا لہجہ، ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔

ماں باپ کا سایہ اس کے لڑکپن میں ہی اس کے سر سے اٹھ چکا تھا، بھائیوں کے ساتھ رہتا تھا۔ محلے والوں کے ساتھ اس کی بنتی نہ تھی، لیکن گھر والوں کے ساتھ بھی اس کی چپقلش کبھی ختم نہ ہوئی۔ کبھی گھر والوں کو ایک روپیہ کما کر نہ دیا۔

عبداللہ جان مہمند



بہتیرے کام شروع کیے کئی جگہ ملازمت کی لیکن ہر جگہ ناکامی ہی مقدر بنی جس میں تقدیر سے زیادہ اس کے اپنے مزاج کو دخل تھا۔

اس کی عمر شاید تیس بتیس سے اوپر تھی، مگر تاحال اس کی شادی نہ ہوسکی تھی، ظاہر ہے کہ وہ برے لوگوں کا مصاحب تھا اور بدمعاشوں لفنگوں کے ساتھ اس کی یاری تھی، بھلا ایسے کو داماد بنانا کون پسند کرتا؟

اکثر میرے پاس آتا اور اپنی ناقدری، گھر والوں کی زیادتیوں، اور محلے والوں کے رویے کی شکایت کرتا، گھنٹوں بیٹھ کر اپنے دکھڑے سناتا، میں اس کی سنتا اور تسلی کے چند جملے بول دیتا، میں اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا، وہ اکثر کہتا۔

''شاہ صاحب! دیکھیے گا! ایک دن میں اس بستی سے غائب ہو جاؤں گا اور ایسا غائب ہوں گا کہ پھر پلٹ کر یہاں کوئی میری صورت نہ دیکھ سکے گا''

اور میں اسے دیوانے کی بڑ یا جھلائے ہوئے شخص کی دھمکی سمجھ کر مسکرا دیتا۔

وقت گزرتا گیا، سب کچھ اسی معمول پر چل رہا تھا، کہ ایک دن اچانک خبر آئی:

''دلاور غائب ہے''

وہ شاید ایک ہفتہ پہلے ہی بستی چھوڑ چکا تھا، مگر ہفتہ بھر کی غیر حاضری کا کسی نے نوٹس نہیں لیا کہ کئی کئی دن غائب رہنا اس کا معمول تھا، لیکن جب دسویں روز بھی اس کی واپسی نہ ہوئی تو اس کے گھر والے اور ان کی استدعا پر بستی کے چند افراد اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، قریبی بستیوں اور جہاں جہاں اس کے ملنے کی امید ہوسکتی تھی، سب جگہ ڈھونڈا گیا، مگر بے سود!

کئی دن کی تلاش بسیار کے بعد بھی جب اس کا سراغ نہ مل سکا تو اس کے گھر والے بھی چپ سادھ کر بیٹھ گئے۔

اس بات کو ایک عرصہ بیت گیا، یہاں تک کہ دلاور کا نام تک لوگوں کے ذہنوں سے محو ہوگیا۔

ایک دن مجھے ملک کے ایک بڑے شہر کسی کام سے جانا ہوا، میرے وہ دوست جن کے ہاں میرا قیام تھا، وہ زندگی کی الجھنوں سے پریشان تھے اور اس سلسلے میں کسی عامل سے ملنا چاہتے تھے۔

کافی دیر سے وہ اس عامل کی بڑی

تعریفیں کر رہے تھے، جن کے پاس وہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن میری طرف سے سوائے ''ہوں، ہاں'' کے اور کچھ نہ پا کر اور میری عدم دلچسپی کو دیکھ کر انہوں نے ایک پمفلٹ میری طرف بڑھایا،

''یہ دیکھیے''

میں نے پمفلٹ پر ایک نظر ڈالی جس کے ایک جانب کئی بلند و بانگ دعوے درج تھے۔

''بے اولادی کا حل''

''ستاروں کی بندش''

''کاروبار کی بندش''

''گھریلو ناچاقی''

''شادی میں رکاوٹ''

اور بھی کئی دعوے تھے، جبکہ پمفلٹ کے دوسری طرف ایک تصویر چھپی تھی جس کے نیچے جلی حروف میں لکھا تھا۔

''ماہر عملیات و ستارہ شناس، پیر دلاور شاہ صاحب دامت برکاتہ''

نام پڑھ کر میں ٹھٹکا، ذہن میں بھولی بسری یادوں کا ایک جھماکہ سا ہوا۔

تصویر کچھ جانی پہچانی سی محسوس ہوئی چند ثانیے میں اس پر غور کرتا رہا اور پھر جیسے ہی میں اسے پہچان چکا میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

وہی ناک نقشہ، وہی سیاہ رنگ، اور وہی میلی آنکھیں، فرق تھا تو بس اتنا کہ بال اب شانوں پر لٹک رہے تھے اور داڑھی بڑھ کر سینے تک آ گئی تھی، جی ہاں! یہ وہی دلاور تھا جو برسوں پہلے اپنے گھر اور بستی کو خیر باد کہہ کر ''چھو منتر'' ہو گیا تھا۔

ایک بار پھر میں نے پمفلٹ کو پلٹا اور اس پر درج ''دعووں'' کا جائزہ لینے لگا۔

''بے اولادی کا حل''

''ستاروں کی بندش''

''کاروبار کی بندش''

''گھریلو ناچاقی''

''شادی میں رکاوٹ''

''ماہر عملیات و ستارہ شناس، پیر دلاور شاہ صاحب دامت برکاتہ''

□......□......□





میں جب بھائی جان کے کمرے میں داخل ہوا، تو انھیں اپنی کتابوں میں غرق پایا۔ ان کے سالانہ امتحانات قریب تھے، اس لیے وہ کتابوں کو ہی اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھے۔ میں نے کھنکار کر گلہ صاف کیا تو وہ چونک اٹھے۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائے اور بولے:

"شمس! کیسے آنا ہوا؟"

"ایک سوال ہے بھائی جان؟" میں نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"ہائیں! تم کب سے سوال کرنے لگے؟ میاں سوال کرنا بری بات ہے۔"

بھائی جان مذاق کے موڈ میں تھے، اس لیے انھوں نے سوال کرنے کو مانگنے کے معنیٰ میں لے لیا تھا۔ میں ہنس پڑا اور بولا:

"بھائی جان! یہ ایک روپے کا سوال نہیں، بلکہ ایک سوال کا سوال ہے۔"

"ارے واہ! سوال کا سوال، یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" بھائی جان کی شوخ آواز گونجی اور میں بے چارگی کی تصویر بنا کھڑا ان کا منہ تکتا رہ گیا۔ لگ رہا تھا کہ وہ مسلسل پڑھائی کر کے اکتا چکے تھے اور اب ہنسی مزاح سے خود کو تروتازہ کرنا چاہ رہے تھے۔ تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی، پھر وہ بولے:

"شمس میاں! جلدی سے اپنا سوال بتاؤ اور ہم سے جواب لو، اس کے بعد چلتے پھرتے نظر آؤ۔ مجھے پہلے ہی بہت کام ہے۔"

اب کی بار ان کا لہجہ اور چہرے کے تاثرات دیکھ کر میں چکرا سا گیا۔ اب ان کے چہرے پر چٹانوں کی سی سنجیدگی تھی۔ میں پہلے تو ہکلایا پھر گویا ہوا:

"دادا جان نے پونے تین منٹ میرا کان پکڑے رکھا اور اس کی خوب مالش کی، اس دوران انھوں نے میرے ذمے ایک سوال لگایا کہ میں ایک گھنٹے کے اندر اندر اس کا جواب دوں۔ اب اگر آپ نے میری مدد نہ کی تو پھر میرے کانوں کی خیر نہیں۔"

بھائی جان نے بے اختیار اپنے کانوں کو

ہاتھ لگایا۔ یوں لگا جیسے انھیں اپنی ”شامتِ کان“ یاد آگئی تھی۔ پھر ان کے لب ہلے: ”سوال بتاؤ؟“

”سوال یہ ہے کہ ہمارے لیے کون سی زبان سیکھنا بے حد ضروری ہے؟“ میں نے سوال دہرایا۔

”کون ۔۔سی۔۔زبان! ہمم۔۔!“ بھائی جان نے سوچ کے تیر کو جواب کا شکار کرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ میں مطمئن تھا کہ بھائی جان کا ماضی ان کی گواہی تھا۔ وہ مشکل سے مشکل سوال کو بھی شکار کرلیا کرتے تھے تو یہ سوال کیسے بچ سکتا تھا لیکن جب کافی دیر گزر گئی تو مجھے پریشانی نے آگھیرا۔ ادھر بھائی جان اپنی پیشانی مسل مسل کر اسے لال کر چکے تھے۔ آخر بھائی جان کی آواز ابھری:

”سوال عجیب سا ہے یار!“

”تو جواب بھی غریب ہونا چاہیے۔“ میرے منہ سے نکلا۔ انھوں نے مجھے گھورا اور پھر بولے:

”یار! میرا ٹائم ضائع نہ کرو۔ دادا جان کو ان تمام زبانوں کے نام بتا دینا جو تمھیں یاد ہیں اور ہاں عربی زبان کا لازمی کہنا۔“

یہ کہہ کر بھائی جان پھر سے اپنی کتابوں میں مستغرق ہوگئے۔ میں اپنا سا منہ لے کر وہاں سے اٹھ آیا۔ دادا جان کی دی گئی مہلت ختم ہونے والی تھی۔ میرا دل اور میرے کان زور زور سے دھڑک اور پھڑک رہے تھے۔ اس وقت میرے کانوں کا بس چلتا تو وہ اپنی جگہ چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر جاتے مگر وہ بے چارے مجبور تھے اور میں بھی مجبور تھا۔ میں نے کاغذ قلم سنبھالا اور درجن بھر زبانوں کے نام لکھ ڈالے۔ اس کے بعد میں نے خود کو تقدیر کے سپرد کر دیا۔ مقررہ وقت پر میں دادا جان کے حضور کھڑا تھا۔ میرے کان بری طرح سے کانپ رہے تھے۔

”بیٹھ جاؤ!“ دادا جان نے اپنے ساتھ پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور بیٹھ گیا۔ دادا جان نے میرا تہ کیا ہوا کاغذ کھولا اور میرا لکھا ہوا جواب پڑھنے لگے۔ اگلے ہی لمحے ان کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ بزرگانہ انداز میں ہنسنے لگے۔ اس دوران ہم بھی ہنسنا نہیں بھولے تھے۔ ان کی ہنسی تو رواں دواں تھی البتہ میری ہنسی کو اس وقت بریک لگ گئے تھے جب دادا جان نے میرے دونوں کان اپنے بابرکت ہاتھوں میں تھام لیے تھے اور پھر کانوں کی کلاس شروع ہوگئی۔ وہ میرے کانوں کو یوگا کی نئی نئی مشقیں کراتے ہوئے بار بار کہہ رہے تھے:

”نہ انگریزی، نہ اردو، نہ عربی نہ فارسی۔
محبت کی زبان! نرمی کی زبان! پیار کی زبان! اخلاق کی زبان! شائستگی کی زبان!
سمجھے میرے پیارے پوتے!“

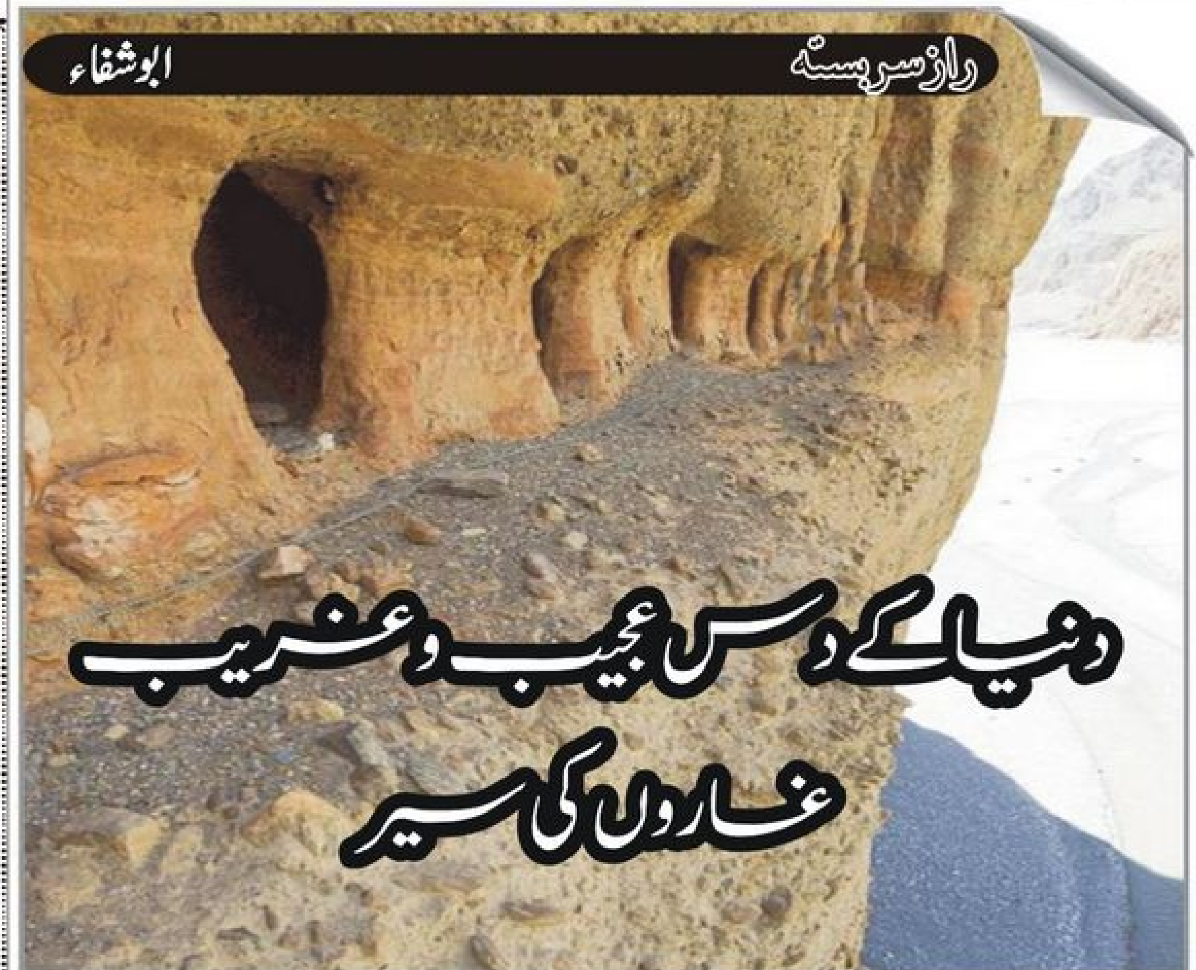
”جی! جی! سمجھ گیا دادا جان! سمجھ گیا میں، میں نے زبان کا غلط مطلب سمجھا تھا، اب مجھے سمجھ آ گئی!“

میں چلّا رہا تھا اور دادا جان شفقت سے میرے کانوں کو مسلتے جا رہے تھے۔



راز سربستہ

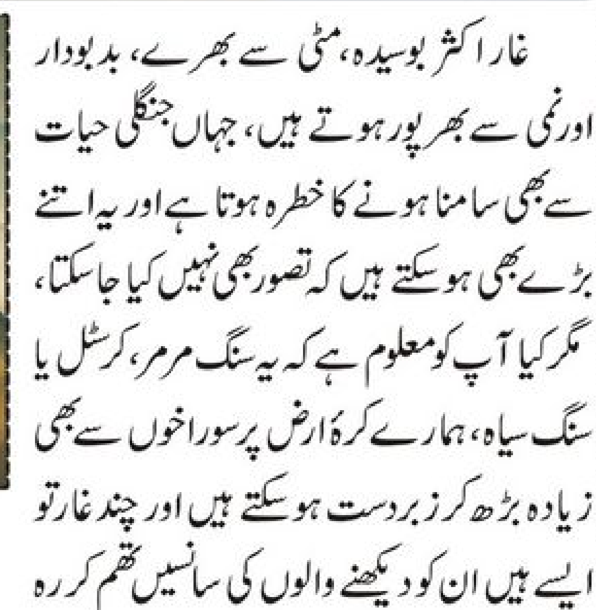
ابوشفاء



دنیا کے دس عجیب و غریب غاروں کی سیر

غار اکثر بوسیدہ، مٹی سے بھرے، بدبودار اور نمی سے بھرپور ہوتے ہیں، جہاں جنگلی حیات سے بھی سامنا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور یہ اتنے بڑے بھی ہو سکتے ہیں کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، مگر کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ سنگ مرمر، کرسٹل یا سنگ سیاہ، ہمارے کرۂ ارض پر سوراخوں سے بھی زیادہ بڑھ کر زبردست ہو سکتے ہیں اور چند غار تو ایسے ہیں ان کو دیکھنے والوں کی سانسیں تھم کر رہ جاتی ہیں۔

ایسے ہی دنیا کے چند سب سے زبردست غاروں کی سیر کریں جہاں جانے والوں کو لگتا ہے کہ وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گئے ہیں۔





(1) آئس رائزن ویلٹ غار

آسٹریا کی آئس رائزن ویلٹ غار دنیا کی سب سے بڑی برفانی غار ہے جو لگ بھگ پچاس کلومیٹر رقبے پر پھیلی ہوئی ہے، اسے ”برفانی دیوتاؤں کی دنیا“ بھی کہا جاتا ہے اور اس کی دریافت 1879 میں ہوئی، اس کے لاتعداد چیمبرز آپس میں جڑے ہوئے ہیں جس کی

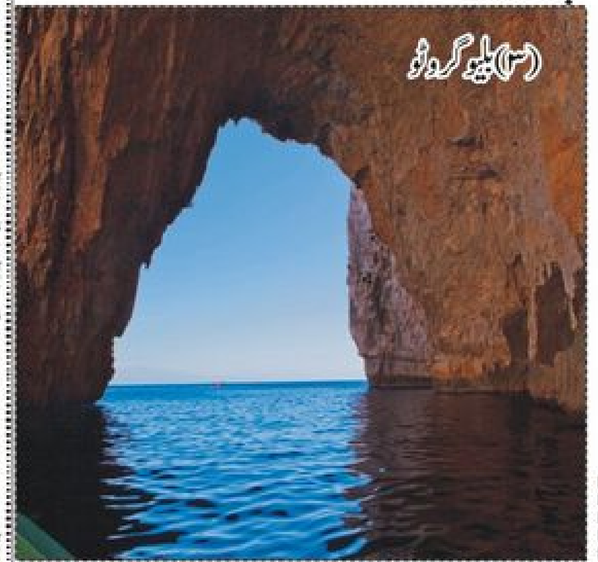
بدولت ہر جگہ ہوا کی روانی زبردست ہے، اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اس کے اندر پھیلے غاروں کا سلسلہ بہت ٹھنڈا ہوتا ہے اس لیے اس کے اندر جانے والوں کے لیے ہر موسم میں گرم ملبوسات کا استعمال لازمی ہوتا ہے، یہاں کی ایک حیرت انگیز خوبی یہ ہے کہ یہاں جمع برف مختلف رنگوں میں ہوتی ہے جس کی وجہ دھاتی اجزاء ہوتے ہیں۔

یہ غاریں سلازبرگ کے ویرفین نامی گاؤں کے پاس واقع ہے اور یہاں جانے سے پہلے سیاحوں کو لیمپ دیئے جاتے ہیں جو غار کے اندر برف کے نظارے کو حیرت انگیز شکل دے دیتے ہیں، مگر بہت کم حصے پر ہی لوگ گھوم پھر سکتے ہیں۔

(۲) فنگل غار

سٹافا آئی لینڈ اسکاٹ لینڈ کا ایسا جزیرہ ہے جہاں کوئی آبادی نہیں مگر یہ متعدد سمندری غاروں کی میزبانی ضرور کرتا ہے جس میں سب سے مشہور فنگل غار ہے، جسے سروں یا ترانوں کا غار بھی کہا جاتا ہے۔

یہ غار ستر میٹر بڑا ہے اور مکمل طور پر سنگ سیاہ سے بنا ہوا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ زمانۂ قدیم میں آتش فشاں کے لاوے کے بہنے سے وجود میں آیا جو سمندر میں گرتا تھا، 1829 میں کمپوزر فیلکس مینڈیلسون نے اس غار کا دورہ کیا اور وہاں گونجنے والی آوازیں اس کو متاثر کر گئیں جس کے بعد سے ہی اسے سروں یا ترانوں کا غار بھی کہا جانے لگا۔



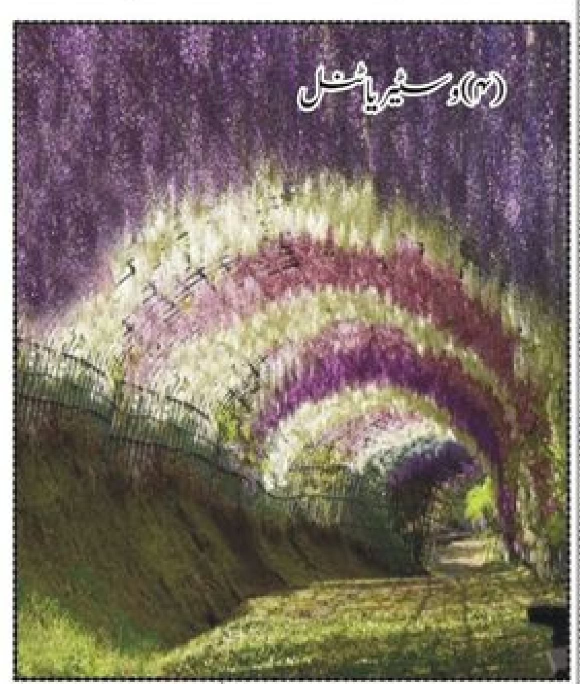
(۳) بلیو گروٹو

اٹلی کے علاقے کیپری کا سب سے مقبول ترین سیاحتی مقام گروٹو آزورا ہے، ایک ایسا غار جس کے آدھے حصے پر سمندری لہریں بہتی نظر آتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کے اندر نیلی روشنی کا نظارہ بھی دلفریب ہوتا ہے، زمانۂ قدیم میں اس غار کو شیطانوں اور روحوں کا ڈیرہ سمجھا جاتا تھا۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ نیلی روشنی غار کے باہر موجود پانی کی سطح پر سورج کی روشنی کے باعث فلٹر ہو کر غار کے اندر پھیل جاتی ہے

پانی کے اندر جا کر دیکھا جائے تو اوپر سب کچھ سلور رنگ کا ہی نظر آتا ہے جس کی وجہ پانی میں موجود بلبلے ہوتے ہیں۔

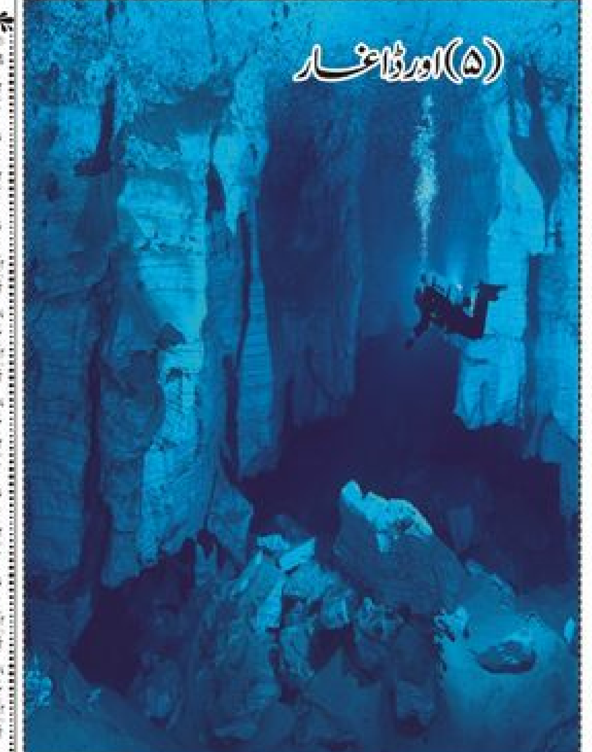
یہاں جانے کا بہترین وقت سہ پہر کے آغاز میں ہوتا ہے جب سورج کی روشنی غار کے باہر پوری آب وتاب سے جگمگا رہی ہوتی ہے۔



کاواچی فیوجی گارڈنز اس ٹنل نما غار کے اندر واقع ہے جس میں وسٹیریا نامی پودے کے درخت اور لگ بھگ بیس دیگر اقسام کے درخت اس کی خوبصورت کو بڑھا دیتے ہیں۔

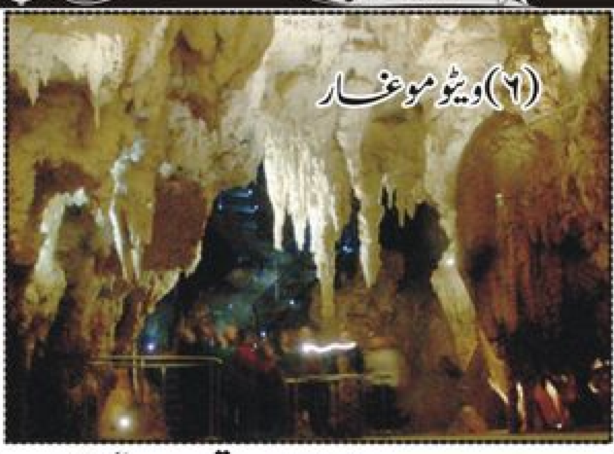
جن میں سے ہر ایک کا رنگ جامنی، سفید، نیلا، بنفشی نیلا اور گلابی ہوتا ہے، اپریل سے مئی کے وسط تک یہاں آنے والے ان درختوں کا جوبن دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔

جبکہ اس موسم میں یہاں وسٹیریا فیسٹول کا بھی انعقاد ہوتا ہے۔ ان مہینوں سے ہٹ کر آنے والے یہاں کا اصل رنگ دیکھنے سے محروم رہتے ہیں تاہم پھر بھی یہ غار اپنی خوبصورتی سے انہیں مسحور ضرور کر دیتا ہے۔

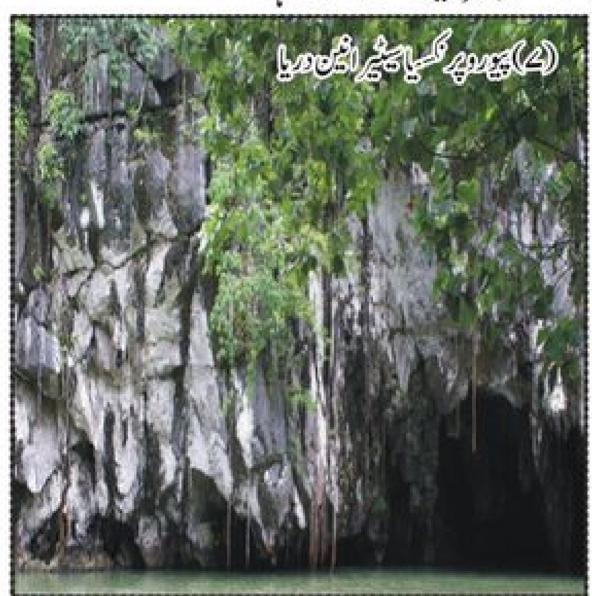


اورڈا نامی یہ غار دنیا میں سب سے بڑے زیر آب غاروں کا سلسلہ ہے جو روس میں موجود ہے پانچ کلومیٹر رقبے تک پھیلا ہوا ہے اور یہاں پانی اتنا شفاف ہوتا ہے کہ غوطہ خور یہاں آ کر اپنے سے آگے 5 میٹر تک کا حصہ واضح طور پر دیکھ لیتے ہیں، سب سے اہم یہاں کوئی برقی رو بھی نہیں دوڑتی جو اس طرح کی غاروں میں جانے والوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہوتی ہے۔

تاہم یہ غار گم ہو جانے کے لیے کوئی اچھا مقام نہیں کیونکہ ایک جیسے راستے اور غاریں کسی کو بھی اپنی گہرائیوں میں گم کر سکتے ہیں جبکہ یہاں کا ٹمپریچر پانی میں جما دینے والا یعنی منفی 20 ڈگری سینٹی گریڈ کا ہوتا ہے، تاہم یہاں کی غاریں اتنی بڑی ہیں کہ اگر گاڑیاں یا بسیں بھی وہاں لے جائیں تو چلائی جا سکتی ہیں۔

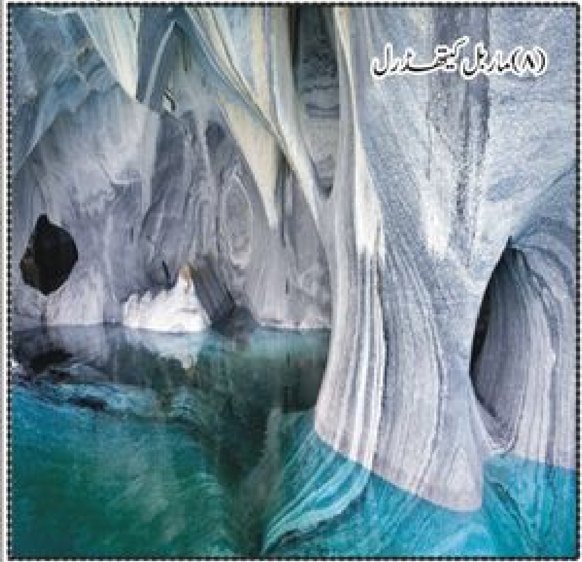

(۶) ویٹو موغار

ویٹوموغار نیوزی لینڈ میں واقع ہے جو جگنو کی نسل کے روشن کیڑوں کا گھر بھی سمجھا جاتا ہے، ان سے پھوٹنے والی روشنی اس جگہ کا نظارہ جادوئی بنا دیتی ہے جبکہ یہ کیڑے ریشم کی پیداوار کا بھی باعث بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نیوزی لینڈ کے نارتھ آئی لینڈ میں واقع یہ غاروں کا سلسلہ سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے اور اس کے اندر کشتی پر تیرتے ہوئے سفر کے دوران چھت پر ہزاروں کیڑوں کی مدھم روشنی کا منظر سفر کو یادگار بنا دیتا ہے۔


(۷) پیورو پرنکسا سبٹیرا نین دریا

فلپائن کے علاقے پلاوان میں واقع اس دریا کے اندر پھیلے غاروں کے سلسلے کو 1971 میں نیشنل پارک کا درجہ دیا گیا تھا، یہ آٹھ کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے جس کے اندر سے دریا بہہ کر سمندر میں جا گرتا ہے، اس غار کے اندر جا کر دنیا میں چونے کے پتھروں کی فارمیشن کا سب سے خوبصورت نظارہ بھی کیا جاسکتا ہے جن میں سے کچھ تو ایسے ڈھلے ہوئے ہیں کہ جانور، مشروم یہاں تک کہ انسانوں سے بھی مشابہہ ہیں۔

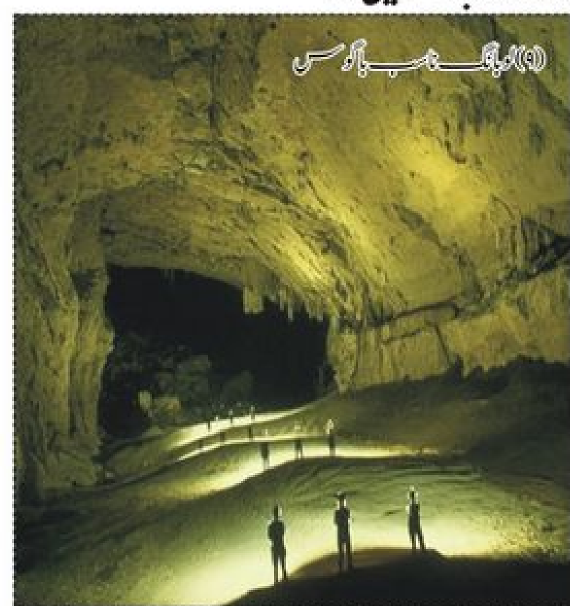
اس جگہ کو 2012 میں دنیا کے سات نئے عجوبوں میں بھی شامل کیا گیا تھا تاہم اس دریا کا صرف چار کلومیٹر حصہ ہی سیاحوں کے لیے قابل رسائی ہے اور اس سے آگے جانے کے لیے انہیں خصوصی اجازت نامے کی ضرورت ہوتی ہے۔


(۸) ماربل کیتھڈرل

ماربل کیتھڈرل نامی غار چلی کی جنرل کیریرا جھیل جو چلی ارجنٹائن سرحد کے درمیان ہے، کو دیکھنے کے لیے بہت مشکل اور لمبا سفر کرنا پڑتا ہے، چلی کے دارالحکومت سے کوئے ہیکے شہر تک طویل پرواز کے بعد 320 کلومیٹر کی ڈرائیو جھیل تک پہنچاتی ہے مگر اس عجوبہ غار کو دیکھنے کے لیے اس لمبے سفر کی تھکان اس وقت دور ہو جاتی ہے۔

جب شیشے کی طرح شفاف پانی اور خوبصورت پیٹرون سے بنی سنگ مرمر کی دیواریں نظر آتی ہیں اور یہاں تک پہنچنا صرف کشتی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

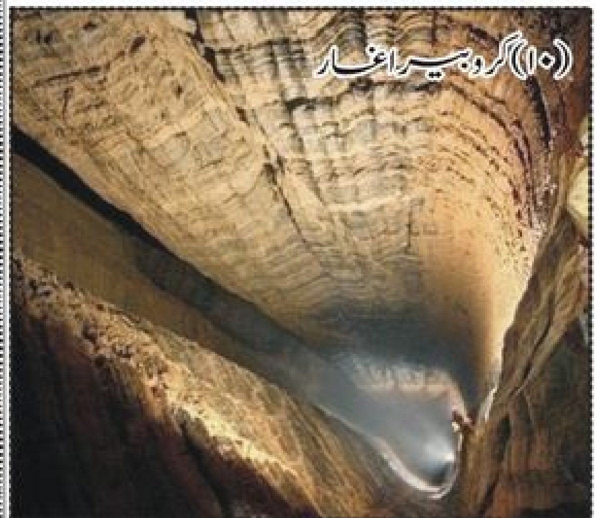
کہا جاتا ہے کہ یہ غار کوئی چھ ہزار سال پہلے لہروں کے کیلشیئم کاربونیٹ سے ٹکرانے کے نتیجے میں تشکیل میں آیا، یہاں کے پانی کا رنگ بھی موسموں کے ساتھ تبدیل ہوتا ہے اور سال کے مختلف مہینوں میں آپ رنگوں کی یہ کہکشاں دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔



(۹) لوبانگ ناسب باگوس

لوبانگ ناسب باگوس یا خوش قسمت غار اپنے ساراوک چیمبر کی بدولت شہرت رکھتا ہے جو دنیا میں کسی بھی غار کا سب سے بڑا چیمبر ہے، یہ بورینو کے گوننگ مولو نیشنل پارک میں واقع ہے، زمین سے چھت تک اس کی لمبائی سو میٹر ہے اور یہ اتنا بڑا چیمبر ہے کہ اس میں بیک وقت آٹھ جمبو جیٹ طیارے بھی آسانی سے آسکتے ہیں۔

اس غار کے تمام حصوں کی تشکیل پچاس لاکھ سال پہلے پانی کے دھاروں کی بدولت ہوئی تھی اور اس کی مشہور غاروں میں ونڈ غار، ہپی نیس غار اور دیگر قابل ذکر ہیں۔



(۱۰) کروبیرا غار

دنیا کی سب سے گہری غار کا اعزاز اپنے نام کرنے والی کروبیرا غار کی گہرائی کا تعین سائنسدانوں نے اکتوبر 2004 میں کیا اور وہ یہ جان کر حیران رہ گئے کہ یہ 2080 میٹر گہری ہے، یہ جارجیا سے وابستہ ایک خودمختار ریاست ابخازیا میں واقع ہے۔

اس غار کے سب سے نچلے حصے تک رسائی اب تک سائنسدانوں کی ٹیم کے ایک رکن کو ہی حاصل ہوسکی ہے جہاں موجود پانی برفانی درجہ حرارت کے ساتھ کسی کو بھی منجمد کرسکتا ہے اور وہ وہاں سیلابی دھارے کے باعث تیس گھنٹوں تک پھنسا رہا تھا، اتنی گہرائی میں بھی وہاں جانوروں کی کئی اقسام موجود ہیں جن میں ٹرانسپیرنٹ فش اور دیگر قابل ذکر ہیں۔



تو حسن کا پیکر ہے، تو رعنائی کی تصویر
رخشاں ہیں تیرے ماتھے پہ آزادی کی تنویر
مخمور بہاروں کے حسین خوابوں کی تعبیر
تو جلوہ گہ نور جہاں، قلبِ جہانگیر

اے وادیٔ کشمیر، اے وادیٔ کشمیر

کیوں تری فضاؤں میں اداسی کے نشان ہیں
چشمے ترے کیوں نالہ کش و نوحہ کناں ہیں
نکھرے ہوئے گلزار بھی کیوں محوِ فغاں ہیں
کہسار ترے کیوں ہیں جگر بستہ و دِلگیر

اے وادیٔ کشمیر، اے وادیٔ کشمیر

مانا تری مٹی پہ بہت خون بہا ہے
لیکن مرے ہمدم! مرا دل بول رہا ہے
تو نے غم و آلام غلامی کو سہا ہے
ہمت کی حرارت سے پگھل جائے گی زنجیر

اے وادیٔ کشمیر، اے وادیٔ کشمیر

دشمن کے عزائم تیری مٹی میں ملیں گے
اس خاک پہ الفت کے حسیں پھول کھلیں گے
مدّت سے جو رِستے ہیں، ترے زخم سلیں گے
صیاد جو اب تک تھا وہ بن جائے گا نخچیر

اے وادیٔ کشمیر، اے وادیٔ کشمیر

تو خاتمِ دنیا کا اک انمول نگیں ہے
آسی کی نگاہوں میں تو فردوسِ بریں ہے
تو حسن کا مسکن ہے، تو بہاروں سے حسیں ہے
فردوس تو ہوتی نہیں شیطان کی جاگیر

اے وادیٔ کشمیر، اے وادیٔ کشمیر



اللہ تعالیٰ تمام ''آفات'' اور ''شرور'' سے میری اور آپ سب کی حفاظت فرمائے...... آفات کی دو قسمیں ہیں (۱) دنیا کی آفات (۲) آخرت کی آفات اور شرور کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) جسمانی شرور (۲) روحانی اور باطنی شرور......

ہم دُنیوی آفتوں سے بھی بچ جائیں...... اور اُخروی آفتوں سے بھی......اور ہم جسمانی شرور اور تکلیفوں سے بھی محفوظ رہیں...... اور روحانی اور باطنی شرور سے بھی...... اس کے لئے گزشتہ ایک مجلس میں عرض کیا تھا کہ...... ہم سب ''معوذتین'' کا اہتمام کریں...... قرآن پاک کی آخری دو سورتیں ''معوذتین'' کہلاتی ہیں...... آج انشاء اللہ ان دو سورتوں کے کچھ فضائل اور خواص بیان کرنے کا ارادہ ہے......

دشمنوں کی کثرت

ہمیں نقصان پہنچانے والے دشمن بے شمار ہیں......ظالم حکمران، کفار و منافقین...... چور، ڈاکو اور شریر لوگ...... جادو، حسد، نظر بد کے ماہر...... اندھیرے اور حادثات...... سانپ، بچھو، کتے اور طرح طرح کی موذی مخلوقات...... شیاطین، جنّات...... انسانی شکل کے شیاطین...... ہمارا اپنا نفس، اُس کا غضب، اُس کی شہوت...... اور گندے گندے خیالات...... بیماریاں، کمزوریاں اور طرح طرح کے امراض...... ان سب سے

حفاظت کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑ لیں...... اللہ تعالیٰ شہنشاہِ اعظم و اکبر ہے...... اُس کی پناہ میں آنے کے بعد کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی...... اور اللہ تعالیٰ کی مضبوط پناہ مانگنے کا بہترین اور افضل طریقہ قرآن پاک کی آخری دو سورتیں ہیں...... سورہ الفلق، سورہ النّاس...... اسی لئے اہل علم فرماتے ہیں کہ انسان کو ان دو ''سورتوں'' کی ضرورت سانس لینے، کھانے پینے اور لباس پہننے سے بھی زیادہ ہے...... عجیب بات ہے کہ اتنی عظیم اور مضبوط پناہ گاہ ہمارے اتنے قریب ہے اور ہم پھر بھی...... اِدھر اُدھر دھکّے کھا رہے ہیں......

اصل مصیبت

بیمار ہونا بھی ایک آفت ہے...... مثلاً کسی انسان کو کینسر ہو جائے...... مگر یاد رکھیں نماز میں سُست ہو جانا کینسر سے بڑی مصیبت ہے...... آنکھوں کا کمزور ہو جانا بھی ایک مصیبت ہے...... لیکن یاد رکھیں کہ آنکھوں کا ''بدنظری'' میں پڑ جانا، اندھا ہونے سے بھی بڑی مصیبت ہے...... اس میں یہ بات برابر ہے کہ مرد، غیر عورتوں کو دیکھیں...... یا عورتیں غیر مردوں کو دیکھیں...... بھوک اور فاقہ بھی ایک مصیبت ہے مگر دل میں ناشکری کا آجانا اُس سے زیادہ بڑی مصیبت ہے...... بس یوں سمجھ لیں کہ...... جو چیز انسان کو اللہ تعالیٰ سے دُور کرے اور عذاب کا مستحق بنائے وہ چیز اصل مصیبت اور اصل آفت ہے...... ہم تمام انسان کمزور ہیں...... ہمیں عارضی مصیبتوں سے بھی تکلیف پہنچتی ہے اور اصل مصیبتوں سے بھی ہم ڈرتے ہیں...... تب ہمیں چاہئے کہ ہم مضبوط سہارے کو پکڑیں اور قرآن پاک کے ذریعے اپنے مسائل کا حل تلاش کریں...... قرآن پاک سے دُوری نے ہمیں کمزور، بے بس اور نہتّا کر دیا ہے...... ہم اندھیروں اور مصیبتوں میں دھکّے کھا رہے ہیں...... آجائیں! توبہ کریں اور قرآن پاک کے ساتھ جُڑ جائیں...... قرآن پاک نُور کا خزانہ ہے اور عزت و قوت کا سرچشمہ ہے...... ہم قرآن پاک پڑھیں، قرآن پاک سیکھیں، قرآن پاک سمجھیں...... قرآن پاک کا ادب کریں...... قرآن پاک کی خدمت کریں...... قرآن پاک کو پھیلائیں...... قرآن پاک کو نافذ کریں...... قرآن پاک کو اپنائیں...... قرآن پاک کے ساتھ جئیں اور قرآن پاک کے ساتھ مریں...... انشاء اللہ اندھیرے روشنی میں اور کمزوری قوت میں بدل جائے گی...... لارڈ میکالے اور انگریز کا نظام تعلیم ہمیں پہلے قرآن پاک سے کاٹتا ہے...... پھر جب ہم کٹ جاتے ہیں تو وہ ہمیں شکار کر لیتا ہے......

ڈاکٹر بننا، انجینئر بننا، سائنسدان بننا کمال نہیں...... قرآن عظیم الشان کو پالینا کمال ہے...... روزی روٹی کے لئے انسان کو کوئی بھی حلال پیشہ اپنا لینا جائز ہے...... وہ تجارت ہو، مزدوری ہو، ڈاکٹری

ہو، انجینئرنگ ہو یا سائنس...... مگر دنیا اور آخرت میں عزت، کمال، کامیابی...... اور سکون حاصل کرنے کے لئے ہم قرآن پاک کے محتاج ہیں...... اُمتِ مسلمہ آج قرآن پاک کی طرف لوٹ آئے تو عزت و عظمت اُس کے قدم چومے گی...... حضرات صحابہ کرامؓ کے پاس ”قرآن پاک“ تھا...... وہ قرآن پاک کے حکم جہاد کو لے کر چلے تو...... روم و فارس کے حکمران، اطباء، حکماء، فلاسفر، موجد...... سب اُن کے غلام بن گئے...... مسلمانو! یاد رکھنا گدھے کا مقابلہ گدھا بننے سے نہیں ہوسکتا...... کتے کا مقابلہ کتا بننے سے نہیں ہوسکتا...... گدھے اور کتے کا مقابلہ کرنا ہے تو...... مضبوط انسان بننا ہوگا...... یہ جو آج ہمیں سمجھا رہے ہیں کہ...... کتوں کا مقابلہ کرنا ہے تو اُن سے بھی زیادہ بدبودار کتے بن جاؤ...... یہ جھوٹ بول رہے ہیں...... خود بھی دھوکہ کھا رہے ہیں اور عوام کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں......

ایک ضروری بات سمجھیں

وظائف اور اذکار میں سب سے زیادہ مؤثر اور طاقتور...... قرآنِ پاک کی آیات ہیں...... ان کے بعد اُن وظائف اور دعاؤں کا مقام ہے جو...... رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہیں...... اللہ کے لئے اس نکتے کو اچھی طرح ذہن میں بٹھائیں...... مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ...... لوگ غیر مسنون وظیفوں کو...... قرآن اور سنت کے اعمال سے بھی زیادہ ترجیح دیتے ہیں...... کسی نے بتادیا کہ...... حافظے کی قوت کے لئے نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر گیارہ بار ”یَا قَوِیُ“ پڑھیں...... اب بس جیسے ہی امام صاحب نے سلام پھیرا تو سب نے اپنے سر پکڑے ہوئے ہیں...... اور ”یَا قَوِیُ“ پڑھ رہے ہیں...... اللہ کے بندو! یہ وظیفہ ٹھیک ہے مگر پہلے اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو پورا کرلو...... نماز کے بعد کم از کم ایک دو مسنون دعائیں تو پڑھ لو...... بعد میں بزرگوں کے احکامات بھی پورے کر لینا...... نماز کا سلام پھیرنے کے بعد ہمارے آقا و محسن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کونسی دعائیں پڑھتے تھے ؟...... یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی دعائیں پڑھنے کی تلقین فرمائی؟...... کیا ان دعاؤں سے بڑھ کر اس موقع پر کوئی عمل ہوسکتا ہے؟...... بزرگ جو وظیفے بتاتے ہیں اُن کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ مسنون اور سنت عمل پورا کرنے کے بعد اُن کو کیا جائے...... چنانچہ نماز کے فوراً بعد...... نماز کے بعد والی مسنون دعائیں پڑھی جائیں...... ان میں دنیا و آخرت کی بڑی خیر پوشیدہ ہے...... اس کے بعد اگر کوئی مجرّب وظیفہ کرنا ہے تو کرلیں...... بزرگوں کے بتائے ہوئے وہ وظیفے جو شریعت کے مطابق ہوں...... وہ بھی بڑی تاثیر رکھتے ہیں...... اللہ تعالیٰ نے ”وحی“ کا دروازہ تو بند فرمادیا مگر الہام اور کشف کا دروازہ قیامت تک کُھلا ہے...... اللہ تعالیٰ کے مقرب مجاہدین، اولیاء اور ابدال کو ”الہام“ کے ذریعے بہت

سے وظائف اور دعائیں ملتی ہیں...... یہ بہت کام کی چیزیں ہوتی ہیں مگر...... نہ تو ان کی قوت قرآنی آیات کے برابر ہو سکتی ہے...... اور نہ یہ مسنون دعاؤں اور وظائف کے درجے کو پہنچ سکتی ہیں...... اس لئے گزارش ہے کہ زیادہ توجہ تو قرآن پاک کی سورتوں اور آیات کی طرف ہو...... خصوصاً وہ قرآنی وظائف جن کی فضیلت آقا مدنی ﷺ نے بیان فرمائی ہے...... اگر آپ کو کسی عمل کے لئے کوئی آیت بتائی جائے تو اسکو سب سے زیادہ مؤثر سمجھیں...... اسی طرح وہ دعائیں جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں...... ان میں بہت زیادہ تاثیر ہے...... پس قرآنی آیات اور مسنون اوراد کی زیادہ حرص کریں...... اس کے بعد بزرگوں کے مجرب وظائف کا درجہ ہے...... اور وہ وظیفے اور اوراد جو غیر شرعی اور مشکوک الفاظ پر مشتمل ہوتے ہیں...... ان سے پوری زندگی بچیں...... یاد رکھیں شرک اور بدعت سے بچنا ہم سب کے لئے بے حد ضروری ہے...... ایسا نہ ہو کہ دنیا کے ادنی مسائل حل کرنے کی فکر میں ایمان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں...... العیاذ باللہ، العیاذ باللہ......

قرآن پاک کی دعائیں

دعاء خود بہت اونچی عبادت ہے...... بلکہ عبادت کی اصل ہے...... پھر دعاؤں میں سب سے اونچی دعائیں وہ ہیں جو قرآن پاک نے ہمیں سکھائی ہیں...... اللہ اکبر کبیرا...... ان دعاؤں میں اتنی قوت، اتنی تاثیر اور اتنی خیر ہے کہ اُسے زبان اور قلم سے بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے...... مثلاً حضرت یونس علیہ السلام کی دعاء......

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء ۸۷)

یہ ایسی مؤثر، جامع اور طاقتور دعاء ہے کہ...... حضرات اہل علم نے اس کے فضائل اور خواص پر باقاعدہ کتابیں لکھی ہیں...... غموں، مصیبتوں اور بیماریوں کے ازالے کے لئے...... اور بڑی سے بڑی جائز حاجات کے لئے یہ دعاء عجیب تاثیر رکھتی ہے...... اسی طرح قرآن پاک کی جامع ترین دعاء......

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ ۲۰۱)

یہ دعاء تو فضائل اور رحمت کا خزانہ ہے...... وہ کونسی ضرورت ہے جو اس دعاء میں نہیں مانگی گئی...... آپ سب سے گزارش ہے کہ اس دعاء کے الفاظ اور معنیٰ میں غور کر کے اس کی قیمت اور عظمت کو سمجھیں...... اور جب بھی محسوس ہو کہ میری دعاء قبول ہو رہی ہے تو سب سے پہلے اس دعاء کو مانگیں...... خود سوچیں کہ اگر یہ دعاء قبول ہو گئی تو...... دنیا بھی اچھی، آخرت بھی اچھی...... اور جہنم سے نجات بھی پکی...... تو پھر اور کیا چاہئے؟...... وہ خاوند اور بیوی جو ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں...... ایک دوسرے کی ناقدری اور حق تلفی کرتے ہیں...... وہ قرآن پاک کی دعاء:

رَبَّنَا هَبْ لَنَامِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَاقُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَالِلْمُتَّقِیْنَ اِمَاماً (الفرقان ۷۴)

صبح شام مانگا کریں...... چند دن میں عجیب حالات دیکھیں گے...... کم ازکم سات سات بار توجہ اور عاجزی سے یہ دعاء مانگیں...... وہ لوگ جن کا دل کمزور ہوتا ہے...... جلدی غصے میں آجاتا ہے...... جلدی میلا کچیلا ہوجاتا ہے...... جی ہاں! کمزور دل کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ اس میں دوسرے مسلمان کا بُغض جلدی بھر جاتا ہے...... ورنہ بہادر دل والے تو پرواہ ہی نہیں کرتے...... پرواہ کریں بھی تو جلد معاف کر دیتے ہیں...... بہرحال کمزور دل لوگوں کے لئے قرآن پاک کی دعاء......

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِی قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (الحشر ۱۰)

اگر یہ دعاء کثرت سے مانگیں گے...... اور ترجمہ ذہن میں رکھ کر توجہ سے مانگیں گے تو...... دل کی بیماری یعنی ”غِل“ دور ہو جائے گا اور دل آئینے کی طرح پاک صاف ہو جائے گا...... اور جب پاک ہو گا تو مضبوط بھی ہو جائے گا...... اللہ اکبر کبیرا...... قرآن پاک کی کس کس دعاء کا تذکرہ کروں...... عجیب عجیب خزانے ہیں......

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (آل عمران ۱۷۳)

کو دیکھیں......

حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (التوبة ۱۲۹)

کو دیکھیں...... حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کی دعاء دیکھیں......

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ (الاعراف ۲۳)

خیر میرا مقصد توجہ دلانا تھا...... اُمید ہے بہت سے مسلمانوں کی توجہ اس طرف ہوگئی ہو گی...... اُن سب کو بڑی خیر مبارک ہو......

معذرت

آپ سب سے معافی چاہتا ہوں...... آج ”معوذتین“ کے فضائل اور خواص لکھنے بیٹھا تھا...... احادیث، حوالے اور وظائف لکھنے کے لئے پانچ چھ کتابیں بھی سامنے رکھی ہیں...... مگر بعض ضروری باتیں درمیان میں آگئیں...... اور کالم کی جگہ پوری ہوگئی...... اللہ تعالیٰ ان باتوں سے مجھے اور آپ سب کو نفع نصیب فرمائے...... ”غزہ“ کے مسلمان یہودی بمباری کا شکار ہیں...... آج بھی کئی مسلمانوں کے شہید ہونے کی خبر ہے...... اللہ تعالیٰ کے حضور فلسطین کے مجاہدین کے لئے دعاؤں کا اہتمام کریں...... اور یہودیوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کی دل میں نیت کریں......

اللھم صل علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

☆......☆......☆



ایک ایسا قرض جسے چکانا اس نے اپنا فرض جانا۔ کیا ہم بھی قرض دار ہیں؟

کم عمر

دین کا چراغ

معفرہ لنگاہ

آج پھر اسے وہ بچہ ملا اور وہ اس سے بات نہیں کر پائی تھی بس گاڑی میں بیٹھی یہی سوچ رہی تھی کہ وہ کیوں اتنی بدبودار جگہ پر آتا ہے اور وہاں کا کچرا دھیان سے دیکھ کر وہاں سے چلا جاتا ہے۔

اس کا لباس اور چہرے کا رنگ سب مصنوعی لگتا تھا وہ یہی سوچتی تھی کہ وہ ضرور آج بات کرے گی کل کرے گی لیکن وہ کالج سے واپسی پر گاڑی میں بیٹھتی تھی تو اسے بھول جاتا تھا کہ اسے اس بچے سے بات کرنی ہے۔ اسے صرف اس وقت یاد آتا جب وہ اس بچے کو کچرے میں سے کچھ کھوجتے دیکھتی۔

یہی سوچتے سوچتے اس نے اپنے آپ سے آج عہد کرلیا کہ وہ اپنے سارے سوالوں کے جواب اور اس سے یہاں آنے کی وجہ ضرور پوچھے گی اور اپنے تجسس کو ختم کروں گی، اپنے ساتھ عہد کرتے ہوئے اسے پتا نہ چلا کہ گاڑی بنگلے میں آکے رکی۔

دن اسی روٹین میں گزرگیا اور شام کے سائے ڈھلنے لگے۔ وہ عشا کی نماز کی تیاری کرنے لگی تاکہ جلدی نماز پڑھ کر صبح جلدی اٹھ سکے کالج جانے کے لیے اور اسی سوچ کے ساتھ وہ واش روم میں گھس گئ۔

”عریشہ! آجاؤ! جلدی ناشتہ کرلو! کالج سے لیٹ ہورہی ہو بیٹا!“

”جی امی!“ کہتی وہ کمرے سے بھاگتی ہوئی آئی اور جلدی سے ایک بریڈ ٹوسٹ اور دودھ کے دو گھونٹ لے کر گاڑی کی طرف بھاگی، کہ کہیں لیٹ نہ ہو جاؤں۔

کالج پہنچ کر دن اسی طرح لیکچر لیتے گزرنے لگا اور عریشہ آج بے تابی سے چھٹی ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی کیونکہ وہ آج ضرور اس بچے سے ملنا چاہتی تھی اور اسی وجہ سے اس نے آخری لیکچر میں بھی بنک مارا تھا اور کالج سے نکل کر اسی کچرے کے ڈھیر کی طرف چل پڑی۔

وہاں مکھیوں کی بھنبھناہٹ ،اور گلی سڑی چیزوں کی بدبو کی وجہ سے ایک سیکنڈ کھڑا ہونا محال تھا لیکن اسے اپنے سوالوں کے جواب لینے تھے اسی وجہ سے وہ بے بسی سے ٹھہری رہی کیونکہ وہ بچہ ابھی نہیں آیا تھا وہاں۔

وہ سوچ رہی تھی جس جگہ ایک سیکنڈ ٹھہرنا محال ہے، وہاں وہ بچہ اور روز کتنے لوگ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے اس گندگی سے چیزیں ڈھونڈ تے ہیں، پتا نہیں مجبوریاں انسان کو اتنا سخت اور مضبوط کیسے بنا دیتی ہیں۔

”چر۔چر۔ر۔ا۔ہ“ کی آواز سے وہ خیالوں سے نکل کر اس آواز کی طرف متوجہ ہوئی جو اس بچے کے چلنے سے وہاں پڑے شاپروں کی وجہ سے آ رہی تھی۔

”سنو! اوہ! سنو! مجھے تم سے بات کرنی ہے بچے!“ وہ اسے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی لیکن وہ بچہ اپنے کام پر متوجہ تھا۔

”اوہ۔۔۔! سنو! دیکھو میں تمھاری بہن کی طرح ہوں، ادھر دیکھو! یہاں کیوں آتے ہو؟“

وہ ایک سوال پوچھ چکی تھی اور اسے ابھی کوئی جواب بھی نہیں ملا تھا۔ وہ بچہ کچرے میں سے چیزیں ہٹا ہٹا کر مسلسل کچھ ڈھونڈے جا رہا تھا۔

اور وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی، اس کو بس دیکھ رہی تھی۔ لیکن جب اس کو کچرے میں سے کاغذ اٹھاتے دیکھا تو حیران ہوئی۔

وہ بچہ کاغذ اٹھا کر ان کو اپنے کپڑوں سے صاف کر کے چومنے لگا ،ان کو اپنے ساتھ لائے بیگ میں ڈالنے لگا، وہ حیران اور الٹی کرنے والی تھی، اس کی یہ حرکت دیکھ کر وہ جگہ جہاں مسلسل ہزاروں مکھیاں بھن بھن کر رہی تھی اور اتنی بدبودار چیزیں پڑی تھی، وہی سے کاغذوں کو اٹھا کر چومنا۔ وہ حیران اور غلیظ بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بچہ اپنا کام کر کے جانے لگا تھا کہ عریشہ نے اس کو بازو سے پکڑا اور بولنا شروع کر دیا۔

”سنو! یہ کاغذ اور اس کو چومنا کیا تھا؟ ان کاغذوں کے ٹکڑوں پر بتاؤ!

دیکھو! میں روزانہ یہاں تمھیں دیکھتی ہوں مجھے آج میرے سوالوں کے جواب دے دو!

کیا یہ بیچتے ہو؟ بتاؤ کیا تم غریب ہو؟ کیوں آتے ہو اتنی گندی جگہ؟ سکول کیوں نہیں جاتے؟“

اس کے مسلسل سوال کرنے اور بولے جانے پر اس بچے جس کا نام (عبد الرحمن) تھا اس نے صرف اتنا کہا۔

”اپنے رب اور اس کے پیغمبر ﷺ کا چھوٹا

سا قرضہ اتار رہا ہوں"

وہ یہ سن کر اور پریشان ہوئی اس کی عمر سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اتنی گہری بات کرے گا۔ وہ ایک دم پریشان اور حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کونسا قرض؟ اور تم سے کس نے کہا تم پر قرض ہے؟" عریشہ نے اس کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہر اس امتی پر قرض ہے جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی اور اس کی کتاب کی حفاظت نہیں کی۔

آپ نے پوچھا ناں کہ میں سکول کیوں نہیں جاتا۔ کیونکہ میرے بابا ایک موچی ہیں۔ اس وجہ سے وہ میری سکول کی فیس ادا نہیں کر سکتے تھے، میں نے دوم تک پڑھ کر چھوڑ دیا لیکن میں کتابیں پڑھتا ہوں۔" لمبی سانس لیتے ہوئے اور نم ہوتی پلکوں سے وہ بولے جا رہا تھا۔

" اور یہاں ایک دن میں ایسے ہی کچرا ڈالنے آیا تو اچانک میری نظر یہاں پڑے قرآن مجید کے ورق پر پڑی جہاں اس دو جہانوں کے سردار کا نام تھا۔

میں اس وقت نرسری میں تھا اور مجھے صرف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا پہلا سبق دیا گیا تھا اور مجھے کہا گیا تھا کہ یہ دو جہانوں کے سردار ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جس کے لیے دنیا بنائی گئ اور مجھے افسوس ہوا کہ اس کا نام یہاں پڑا ہے۔

میں اسی دن سے منہ پہ سیاہی لگا کر اور کپڑے بدل کر کچرے میں سے اوراق اور کاغذ کے سارے ٹکڑے گھر لے جاتا ہوں اور ان کو صاف کر کے اپنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام چوم کر اس کے (قرآن مجید) جو ہماری حفاظت اور ہمیں اچھا برا بتانے کے لیے اتارا گیا ہے، کے کاغذوں کو چوم کر سنبھال کر رکھ رہا ہوں تاکہ میں اپنے رب کا شکر، اور اس کا قرض اتار سکوں جو وہ رحم کے طور پر ہم پر کر رہا ہے۔

پڑھ لکھ کر مسلمان ہو کر ہم اس کی کتاب کی حفاظت نہیں کر سکتے، لیکن وہ غضب اتارنے کی بجائے رحم کیے جا رہا ہے۔ میں اگر ساری زندگی جو یہ کام کروں تو اس ذات کا قرض نہیں اتار سکتا لیکن کوشش اور محنت مجھے اپنے رب کے آگے سرخرو ضرور کرے گی۔

اپنے بندوں کو معاف کر دیتی ہے وہ ذات جو جانتی ہے کہ بندہ ظلم، وحشی، کم عقل ہے جو اپنے دل یعنی قرآن پاک کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا"

وہ یہ کہتا ہوا نم آنکھوں سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور عریشہ یہی سوچ رہی تھی وہ بد نصیب ہے مسلمان ہو کر بھی کبھی قرآن پاک کو صاف نہیں کرتی اس کو بس الماری میں سجایا ہے تو سجایا ہے وہ خود سے شرمندہ تھی اور اپنے رب سے اور اس معصوم سے جو اس کو مومن ہونے اور اپنے پیدا ہونے کا مقصد بتا گیا تھا۔

اس کی آنکھیں تر تھی اور اب اسے اپنے

ہاتھوں سے خوشبو محسوس ہونے لگی تھی کیونکہ اس نے اس بچے کو چھوا تھا جو اسلام کا رہبر تھا جو اسے اپنے پیدا ہونے اور علم حاصل کرنے کا مقصد بتا گیا تھا۔

اور یہی سوچتے وہ گاڑی کی طرف جانے لگی کہ وہ آج سے ضرور اپنے گھر کا کچرا بھی دھیان سے صاف کر کے دے گی اور اس کتاب کی حفاظت کے لیے دل سے اور رضائے الٰہی کے لیے ایک مہم چلائے گی کہ گھروں سے پھینکے جانے والے کچرے میں سے سارے اخباروں، کتابوں کے اوراق چن لیے جائیں اور ان کو صاف کر کے کسی لائبریری یا ریپیر کرنے والی جگہ پہ بھیج دیے جائیں۔

کیونکہ ہماری زندگی کا اصل مقصد تو رب کے احکام کی پابندی اور اس کے دین کی حفاظت کرنا ہے لیکن ہم کسی اور راہ پہ چل پڑے ہیں اپنی کتابوں کو الماری میں رکھ کر بھول گئے ہیں جب اس کو کیڑے اور مکڑی کھا جاتی ہیں تو نعوذ باللہ ان کے نیچے گرے ہوئے اوراق جھاڑو سے کچرے والی جگہ پہ ڈال دیتے ہیں اس لیے آپ سب قرض دار ہے اس رب کے رحم کے جو وہ آپ کی گناہوں اور کم عقلی کی سزا دینے کی بجائے رحم کر رہا ہے۔

اس لیے آپ بھی کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین اور آسمانی کتابوں کی حفاظت کرنے، اور اپنے دین کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا کریں۔ آمین ثم آمین۔

❁......❁......❁

دعا مانگنے کا سلیقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان شخص کی عیادت کی۔ وہ (بیماری کی وجہ سے) پرندے کے بچے کی طرح کمزور ہو چکا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: کیا تم اللہ سے کوئی دعا یا کسی خاص چیز کا سوال کرتے ہو؟

اس شخص نے عرض کیا: جی ہاں۔

میں کہا کرتا تھا: اے اللہ! تُو نے جو مجھے آخرت میں سزا دینی ہے وہ تُو مجھے دنیا میں دے لے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سبحان اللہ! نہ تم (دنیا میں) اس کی طاقت رکھتے ہو، نہ تم (آخرت میں) اس کی استطاعت رکھتے ہو۔ تم نے ایسے کیوں نہ کہا: اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

داؤد بن طلحہ السیف



محمد دانیال حسن چغتائی

آج اتوار تھا اور سب بچے نانی اماں کے پاس مقررہ وقت پر جمع ہو چکے تھے۔ابتدائی باتوں کے بعد نانی اماں نے پوچھا۔

”ہاں بھئی بچو! امید ہے تمہیں پچھلی نشست کا اختتام یاد ہوگا۔ہم امہات المومنین کے سلسلے کو پڑھ رہے ہیں اور اب ہم ام المومنین حضرت زینب بنت جحش ؓ کے بارے میں جانیں گے۔“

سب بچوں نے پر جوش ہو کر جواب دیا۔

”جی ہاں ہم تیار ہیں۔“

تو نانی اماں نے بولنا شروع کیا۔

”تو سنو! زینب بنت جحش ؓ بھی مسلمانوں کی ماں ہیں۔ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات میں چھٹا نمبر ہے۔آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں۔آپ خود اپنے نکاح کے ولی ہونے کے اعتبار سے تمام ازواج مطہرات میں ممتاز ہیں۔آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج سے کہا کرتیں۔

”میری علاوہ تم میں سے ایسی کوئی بھی عورت نہیں۔اس کی شادی یا تو اس کے باپ یا اس کے بھائی یا اہل خاندان نے کی مگر میری شادی کا آسمان سے خود اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ اہتمام فرمایا۔“

حضرت سیدہ زینب بنت جحش ؓ وہ عظیم المرتبت خاتون ہیں جن کی وجہ سے اسلام سے دو ایسی رسموں کا قلع قمع ہوا جو اسلامی مزاج کے سخت خلاف تھیں۔

ان میں ایک تو غلام اور آزاد،غریب اور مالدار، صاحب نسب اور غلام کے درمیان تمیز کا خاتمہ کر کے

سب کو مساوی حقوق عطا کرنا اور دوسرا اپنے متبنی بیٹے کی بیوی سے بعد از طلاق نکاح کرنا شامل تھا۔ جس کو عرب بہت برا خیال کرتے تھے۔

یہ مکہ کی ایک معزز اور عالی نسب خاتون تھیں۔ نبی کریم ﷺ سے نکاح کے بعد ام المومنین ہونے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ زینب نیک خو، روزہ دار و نماز گزار تھیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''میں نے کوئی عورت زینب سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیز گار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، مخیر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی، فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔ زینب کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزوں اندام تھیں۔''

''نائلہ! اب تم ہمیں حضرت زینب بنت جحشؓ کے نام و نسب کے بارے میں بتاؤ؟''

نائلہ نے جواب دیا۔

''ام المومنین زینب بنت جحشؓ کا پہلا نام برہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تبدیل کر کے زینب رکھا۔ آپ کی کنیت ام الحکم تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اعلان نبوت سے سترہ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام جحش بن راب تھا۔ آپ کی والدہ کا نام امیمہ تھا جو جناب عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ اس طرح آپ رسول اللہ ﷺ کی سگی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔''

''عائشہ! یہ بتاؤ، کیا حضور ﷺ سے پہلے حضرت زینبؓ نے کوئی نکاح کیا؟''

اب باری عائشہ کی تھی۔ اس نے بولنا شروع کیا۔

''ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ قریش کے معزز ترین خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دولت اسلام سے مالا مال ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا دین داری پرہیز گاری، زہد و تقویٰ اور حق گوئی میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔''

''شاباش عائشہ! حسان! تم ہمیں اب اس سے آگے بتاؤ گے۔''

اب حسان نے بولنا شروع کیا۔

''جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور ان کی عدت پوری ہو چکی تو اللہ تعالی نے مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ زینبؓ سے نکاح فرمالیں۔ چونکہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا

تھا، اس لیے آپ ﷺ منافقین کی باتوں سے پس وپیش فرما رہے تھے۔

عرب میں یہ رواج تھا کہ جس طرح حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح نہیں ہوسکتا ویسے ہی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا تھا اور سگے بیٹے کی طرح وہ بھی جائیداد اور دیگر معاملات میں وارث ہوتا۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کفار اور خاص کر منافقین کی باتوں سے دیر فرما رہے تھے۔ یہ حکم سورت الاحزاب کی آیت نمبر 37 میں دیا گیا۔"

"شاباش بیٹا! تحریم حضرت زینب بنت جحشؓ کے زہد و تقویٰ کے بارے میں بتاؤ؟"

تحریم گویا ہوئی۔

"ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے زہد اور تقویٰ کی گواہی ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یوں دی کہ جب واقعہ افک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا سے میرے (سیدہ عائشہ) کے بارے میں پوچھا تو سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو بچاتی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں سوائے بھلائی کہ عائشہ کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے زہد اور تقویٰ نے انہیں میرے عیب (میری تہمت) کرنے سے بچا لیا۔"

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے زہد اور تقویٰ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہا کیلئے نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے انکار کر دیا کیونکہ وہ انہیں پسند نہیں کرتی تھیں اور اپنے اعلیٰ نسب اور ان کے غلام ہونے کا بھی خیال کرتی تھیں۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک سیاہ فام تھے اور آپ رضی اللہ عنہا بہت حسین و جمیل تھیں لیکن جیسے ہی آیت مبارکہ نازل ہوئی فوراً آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی ناپسندیدگی کے باوجود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔"

"سبحان اللہ، احمد علی! تم اب ہمیں حضرت زینب بنت جحشؓ کے مزید فضائل کے بارے میں بتاؤ؟"

احمد علی نے بولنا شروع کیا۔

"ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں:

"زینب بنت جحشؓ مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پایہ نہ تھیں۔ میں نے ان سے بڑھ کر کسی عورت کو دیندار، خدا سے ڈرنے والی، زیادہ سچ بولنے والی، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور سب سے زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔"

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں:

"زینب بنت جحشؓ بڑی نیک، بڑی روزے

رکھنے والی، بڑی تہجد گزار تھیں اور بڑی کمانے والی تھیں اور جو کماتی تھیں ،سب کا سب مساکین میں صدقہ کر دیتی تھیں۔"

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا چمڑے اور کپڑے پر دستکاری کرتیں اور کپڑا بنا کر مال حاصل کرتی اور راہ خدا میں صرف کر دیتیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"میں نے زینب بنت جحشؓ سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی سب سے زیادہ صدقہ خیرات کرنے والی، سب سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے والی عورت نہیں دیکھی۔"

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اتنی فیاض تھیں کہ ہر وقت غربا اور مساکین کی سرپرستی فرماتی رہتی تھیں۔آپ جو کچھ بھی پاتیں ،سب کس سب غرباء اور مساکین میں تقسیم فرما دیتیں۔اس وجہ سے آپ کا گھر بیت المساکین (مسکینوں کا ٹھکانہ) کہلانے لگا۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بہت کم روایت کرتی تھیں۔اس لیے احادیث کی کتابوں میں آپ رضی اللہ عنہا سے صرف گیارہ احادیث مروی ہیں۔"

"عفان! یہ بتاؤ! حضرت زینب کی آپ ﷺ سے کتنی اولاد ہوئی؟"

عفان بولا:

"نبی کریم ﷺ کی اولاد صرف حضرت خدیجہؓ سے ہوئی ،ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔"

"عبدالمجید! یہ بتاؤ! حضرت زینبؓ کا انتقال کب ہوا؟"

عبدالمجید نے جواب دیا۔

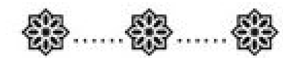
"سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال 20 ہجری میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 53 سال تھی۔خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

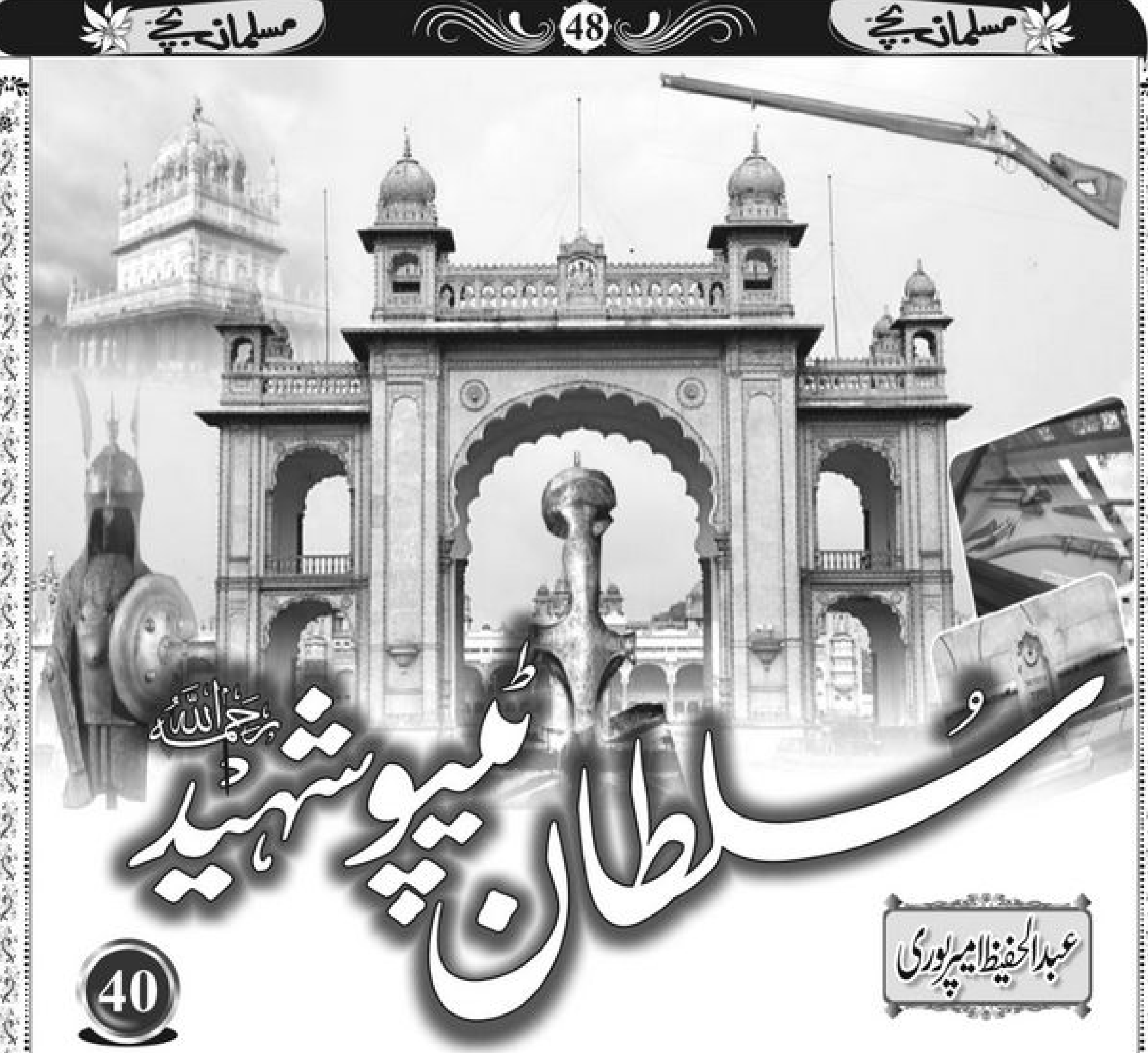
جب سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"افسوس! آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی، عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کی غم خوار تھی۔"

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے سب کچھ اپنی زندگی میں ہی خیرات کر دیا تھا۔ صرف ایک مکان ہی آپ رضی اللہ عنہا کا ترکہ تھا جسے خلیفہ یزید بن عبدالملک نے پچاس ہزار درہم میں خرید کر مسجد نبوی میں داخل کر دیا۔

عشاء کی اذان ہونے لگی تھی۔اذان کے بعد سب نماز کی تیاری کرنے لگے اور یوں یہ محفل برخواست ہوگئی۔





"اگر تمہیں اپنے باپ کے انتقال کی خبر بھی ملتی تو اس سے کیا فرق پڑتا؟" والیٔ میسور کے لہجے سے آگ برس رہی تھی۔

"ایک سپاہی کا فرض یہ ہے کہ پہلے وہ معرکہ سر کرے، پھر اپنے باپ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہو۔"

"مجھ سے غلطی ہوگئی بابا محترم!" ٹیپو اس کوتاہی پر اتنا پشیمان ہوا کہ رونے لگا۔

"تم نے باپ کی نہیں، ولیٔ عہد سلطنت کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔" ٹیپو کے آنسو دیکھ کر بھی حیدر علی کے غصے میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

"تمہیں حکم یہ تھا کہ دشمن کے علاقے کی ہر نشانی کو اڑا کر رکھ دو! تم قلعہ سینٹ جارج پر اس وقت تک گولہ باری کرتے رہتے جب تک اس کی ساری بلندیاں تمہارے قدم نہیں چوم لیتیں۔"

ٹیپو سلطان نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں باپ سے معافی مانگی مگر حیدر علی نے اس کی درخواست کو لائق التفات نہیں سمجھا۔ سپہ سالار محمد علی کمیدان اور دوسرے فوجی افسروں نے بھی ٹیپو سلطان کی سفارش کی مگر حیدر علی نے انہیں بھی ڈانٹ دیا۔

والیٔ میسور نے ٹیپو سلطان کو اس کی جذباتی غلطی پر بڑی عجیب سزا دی تھی کہ وہ بیٹے سے بات

نہیں کرتا تھا۔ یہ ذہنی و قلبی اذیت ولی عہد سلطنت کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

آخر کئی ماہ بعد حیدر علی کو یہ اطلاع ملی کہ ٹیپو کی گولہ باری سے نواب والا جاہ محمد علی اور گورنر مدراس پر دہشت طاری ہوگئی تھی اور وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ یہ خبر اتنی دلچسپ تھی کہ حیدر علی بلند آواز سے ہنس پڑا اور اس نے اسی وقت ٹیپو کو بلا کر بھرے دربار میں گلے لگا لیا۔

"فرزند! میں نے تمہاری غلطی کو معاف کر دیا۔ تم فاتح قرار پائے اور تم نے قلعہ سینٹ مارچ کو فتح کر لیا۔ میں اس وقت بھی اپنی چشم تصور سے اس بے ضمیر نواب ارکاٹ کو بھاگتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ بس میرے اطمینان کے لئے یہی ایک منظر کافی ہے۔

شاباش میرے بیٹے! تم نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ مجھے تم پر فخر ہے۔" یہ کہتے ہوئے نواب حیدر علی نے اپنے گلے سے قیمتی ہار اتار کر ولی عہد سلطنت کو پہنا دیا۔

ٹیپو سلطان اطاعت و شکر گزاری کے طور پر گھٹنوں کے بل باپ کے سامنے جھک گیا۔ اس کے بعد حیدر علی نے اپنے ایک معتمد سالار فضل اللہ خان ہیبت جنگ کو نئی فوج بھرتی کرنے کی غرض سے سرنگا پٹم روانہ کیا۔

جب تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں تو والئی میسور نے ہیبت جنگ کو انگریزوں سے انتقام لینے کے لئے درۂ گجل ہٹی پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ علاقہ اس وقت انگریزوں کے قبضے میں تھا۔

پھر جب تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں تو والیٔ میسور ہیبت جنگ کے پیچھے خود ایک لشکر جرار اور بڑا توپ خانہ لے کر روانہ ہوا۔ پھر اس نے ضلع کونیٹور میں داخل ہو کر کرور پر قبضہ کر لیا۔ یہ والا جاہ محمد علی کا علاقہ تھا۔ اس کے بعد والی میسور ایروڈ کی طرف بڑھا۔ راستے میں کیپٹن نکسن نے مزاحمت کی۔ حیدر علی کے سینے میں پہلے ہی آتش انتقام بھڑک رہی تھی۔ اس نے نکسن کی فوج پر اتنے غضب ناک انداز میں حملہ کیا کہ فرنگی سپاہی یا تو مارے گئے یا زخمی ہوگئے۔ نکسن کے فرار ہوتے ہی ایروڈ پر حیدر علی کا قبضہ ہوگیا۔

وانم باڑی کا نگران ایک انگریز کمانڈر تھا۔ اس نے گزشتہ سال حیدر علی سے عہد کیا تھا کہ آئندہ اس کے خلاف جنگ نہیں کرے گا۔ مگر جب انگریز کمانڈر نے بدعہدی کی تو حیدر علی نے اس کی پوری فوج کو محاصرے میں لے کر گرفتار کر لیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے والی میسور نے کاویری پورم کے سپاہیوں کو بھی زنجیریں پہنا دیں اور تمام جنگی قیدیوں کو سرنگا پٹم روانہ کر دیا۔ ان مہمات سے فارغ ہوتے ہی دونوں گھاٹوں کے جنوب میں ان اضلاع کو بھی فتح کر لیا جن پر کچھ دن پہلے انگریز قابض ہوگئے تھے۔

پھر والیٔ میسور، مدراس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس خبر سے انگریزوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ آخر گورنر مدراس نے حیدر علی سے صلح کی درخواست کی اس مقصد کے لئے اپنے سفیر کیپٹن بروک کو والیٔ میسور کی خدمت میں روانہ کیا۔ نواب حیدر علی نے صلح

پر رضامندی ظاہر کی مگر کیپٹن بروک سے صاف صاف کہہ دیا۔

میں اس دغا باز کو کسی قسم کی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

والئ میسور کا اشارہ نواب ارکاٹ والا جاہ محمد علی کی طرف تھا۔

انگریز سفیر کیپٹن بروک نے صلح کی گفتگو کو آگے بڑھانا چاہا تو حیدر علی نے اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا۔ میں خود مدراس آ رہا ہوں۔ وہاں آ کر ان شرائط کو سنوں گا جو گورنر کی کونسل پیش کرنا چاہتی ہے۔

والئ میسور کے اس جواب پر کیپٹن بروک دم بخود رہ گیا۔ پھر جب یہ خبر عام ہوئی کہ حیدر علی، مدراس آ رہا ہے تو والا جاہ محمد علی بھاگ کر گورنر کے پاس پہنچا اور سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”تاج برطانیہ کا اقبال بلند ہو۔ شکار خود جال کی طرف آ رہا ہے۔ حیدر علی کو قتل کرا دیجیے۔ پھر ہندوستان میں فرنگی اقتدار کے لئے کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔“

گورنر مدراس بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا اور پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی صراحی کی طرف اشارہ کیا۔ نواب والا جاہ محمد علی اپنی نشست سے اٹھا اور آہستہ آہستہ ساغر شراب لبریز کرنے لگا۔

حیدر علی کے مشیروں اور فوجی افسروں نے اسے بہت سمجھایا۔ نواب بہادر! آپ اس طرح مدراس تشریف نہ لے جائیں۔ آپ کا دشمن اتنا اعلیٰ ظرف نہیں کہ وہ آپ کی جرات و بے باکی کی داد دے سکے۔ نفاق اس کا مذہب ہے اور فریب کاری ان کی سیاست اگر خدانخواستہ۔۔۔ فوجی مشیر کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ انہوں نے قصداً اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ تم مجھے کہہ رہے ہو کہ گورنر مدراس مجھے قتل کرا دے گا؟ نواب حیدر علی اپنے فوجی افسروں کا مشورہ سن کر مسکرانے لگا۔

”موت و زیست تو خدا کے اختیار میں ہے مگر ہم آپ کے اس فیصلے سے متفق نہیں۔“ والا جاہ محمد علی کمیدان نے صاف صاف کہا۔ وہ انتہائی بے باک اور کسی حد تک منہ پھٹ انسان تھا کہ دل میں جو بات آتی تھی، کسی تکلف کے بغیر کہہ دیا کرتا تھا۔

”میں یقین رکھتا ہوں کہ تیرے اس مشورے میں تیرا اخلوص شامل ہے۔“ نواب حیدر علی نے پر جلال مگر نرم لہجے میں کہا۔

”لیکن میں اپنی عقل کو کیا کروں کہ وہ مجھے مدراس جانے کے مشورے دے رہی ہے اور پھر میں نے فرنگی گورنر سے وعدہ بھی تو کر لیا ہے۔ اب اپنے الفاظ کس طرح واپس لوں؟“

”طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر دیجئے۔“ محمد علی کمیدان چاہتا تھا کہ والئ میسور کسی طرح اپنے ارادے سے باز آ جائے۔

”گورنر کے سفیر کو اپنے دربار میں دوبارہ طلب کر لیجیے یا پھر مجھے بھیج دیجئے! اگر میں اس سفارتی مہم میں ضائع ہی ہو گیا تو میری موت کا

ریاست میسور پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور خاکم بدہن آپ کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو اس علاقے کے ہزاروں بے گناہ مسلمان، دشمنوں کی تلواروں کا رزق بن جائیں گے اور میں اس وقت سے بہت ڈرتا ہوں نواب بہادر!"

"خدا! میرے رفیقوں اور ہمدردوں کو سلامت رکھے"۔شدت جذبات سے حیدر علی کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی نظر آنے لگی تھی۔

"تم جیسے جانثار ہی تو مجھے بیک وقت چار دشمنوں سے برسرِپیکار ہونے کا حوصلہ دیتے ہیں۔" والیٔ میسور کا اشارہ مرہٹوں، انگریزوں، نواب ارکاٹ اور نظام دکن کی طرف تھا۔

"مگر تو اپنے خدا پر بھروسہ کر محمد علی! کہ ابھی وہ وقت نہیں آئے گا۔ اس ہونٹوں سے الفاظ کیا ادا ہوئے، گویا تیر کمان سے نکل چکا ہے اور اب اس تیر کو واپس نہیں لایا جاسکتا۔ اگر میں نے کوئی عذر تراشا تو انگریز اور ان کے حلیف کہیں گے کہ نواب حیدر علی اتحادیوں کی کثرت سے ڈر گیا۔ اس لئے میرا وہاں جانا ہی بہتر ہے۔"

افسر اور مشیر کیا کرتے؟ سب نے حیدر علی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ مگر ان کے دل اور دماغ مختلف اندیشوں سے بھرے ہوئے تھے۔ روانگی سے پہلے والیٔ میسور نے اپنے لشکر کے بہترین حصے کو تھوروڈہ سے ہو کر مغرب کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا اور خود چھ ہزار منتخب سوار اور کچھ پیدل فوج لے کر مدراس کی طرف بڑھا۔

نواب والا جاہ محمد علی، مدراس میں موجود تھا اور اس پر اضطراب جاری تھا۔ والیٔ ارکان بار بار گورنر مدراس سے کہہ رہا تھا۔

"عزت مآب! آپ نے حیدر علی کو قتل کرنے کے لئے کیا انتظامات کئے ہیں؟ تاج برطانیہ پر خدا کا یہ بے مثال کرم ہے کہ فرنگیوں کا سب سے بڑا دشمن خود کو موت کے غار کی طرف ہانک رہا ہے۔"

"نواب! تو بہت احمق ہے۔" گورنر مدراس اس وقت شراب کے نشے میں تھا مگر عقل و خرد اس کے ہم رکاب تھے۔ اس نے شرارتاً آہستہ سے والیٔ ارکاٹ کے سینے پر اپنا بید مارتے ہوئے کہا۔

"کیا تجھے یقین ہے کہ حیدر علی، مدراس آ کر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گرد جال کے پھندے کس لے گا؟"

"مجھے سو فیصد یقین ہے کہ حیدر علی، مدراس ضرور آئے گا۔" والا جاہ محمد علی نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"وہ اپنی دھن کا پکا اور وعدے کا سچا ہے۔ اس کی اس بے خوفی سے فائدہ اٹھائیے جناب!"

"تو پھر اس کا مطلب یہ ہے نواب! کہ تو حیدر علی کو نہیں جانتا" گورنر مدراس کی مسکراہٹ کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ نواب ارکاٹ کا مذاق اُڑا رہا ہو۔

"میں نے اس کے بارے میں سنا ہے کہ وہ لومڑیوں کی طرح چالیں چلتا ہے۔ اپنی اس عادت کے مطابق وہ میرے ساتھ بھی ایک گہری چال

چل رہا ہے۔ مگر اسے کیا پتہ کہ فرنگی اور ہندی دماغ میں کیا فرق ہے؟"

"آخر عزت مآب کیا کہنا چاہتے ہیں؟" نواب ارکاٹ والا جاہ محمد علی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہی کہ فرنگی دماغ کا ہندی دماغ سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔" یہ کہتے کہتے ہوئے گورنر کی گردن میں بھی نمایاں تجی ہوگئی تھی۔

"اور وہی فرنگی دماغ مجھ سے یہ کہتا ہے کہ حیدرعلی ادھر آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ وہ محض مجھے خوف زدہ کرنا چاہتا ہے لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ ہم سرد مزاج لوگ ہیں۔ ہندوستانیوں کی طرح معمولی باتوں پر بھڑکتے نہیں۔"

گورنر مدراس نے حیدرعلی کے آنے کی خبر سن کر کرنل اسمتھ کو بھی مشورے کے لئے اپنے پاس بلالیا تھا اور سابقہ تلخ گفتاری کے سلسلے میں اس سے معزرت کرلی تھی۔ اسمتھ بھی اس وقت شریک گفتگو تھا۔

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد گورنر مدراس نے کرنل اسمتھ کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس سے اپنے خیال کی تائید طلب کر رہا ہو۔ کرنل اسمتھ کافی دیر تک گورنر کی طرف دیکھتا رہا، پھر بہت آہستہ سے بولا۔

"جناب! آپ ایک بار پہلے بھی مجھ سے ناراض ہو چکے ہیں۔ اس لئے مجھے اظہار رائے سے معاف ہی رکھا جائے۔"

"وہ اور بات تھی۔ اسے بھول جاؤ اسمتھ!" گورنر مدراس شرمسار نظر آنے لگا۔

"اس وقت میں انگریزی فوج کی شکست کی خبر سن کر بدحواس ہوگیا تھا۔" گورنر کا لہجہ انتہائی معذرت خواہانہ تھا۔

"میں جو بھی کہتا ہوں، تاج برطانیہ اور کمپنی کی محبت میں کہتا ہوں۔"

کرنل اسمتھ خاصا جزباتی ہوگیا تھا۔

"اس وقت بھی جو کچھ کہوں گا، اپنے تجربات کی روشنی میں کہوں گا۔ حیدرعلی کے بارے میں آپ کی یہ رائے درست ہے کہ وہ لومڑی کی چالیں چلتا ہے مگر آپ نے اسے شیر کی طرح حملہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مجھے یقین ہے کہ جب اس نے وعدہ کیا ہے تو ضرور وہ آئے گا" کرنل اسمتھ کی اس صاف گوئی پر گورنر مدراس نے بہت برا سا منہ بنایا اور ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کا خدمت گار خاص، جان رائٹ گھبرایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"وہ آپہنچا"..."وہ آپہنچا"

شدت خوف سے جان رائٹ کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرے پر دہشت برس رہی تھی۔

"کون؟؟؟" گورنر مدراس اپنے خدمت گار کی چیخ سن کر اچھل پڑا تھا۔

"وہ نواب حیدرعلی" جان رائٹ کی زبان لڑکھڑا رہی تھی اور وہ رک رک کر بول رہا تھا۔

"کک... کک... کہاں ہے حیدرعلی؟" گورنر مدراس کی آواز بھی کانپ رہی تھی اور وہ شدید بدحواسی کے عالم میں اپنی نشست سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

”وہ کوہ سینٹ تھامس تک پہنچ گیا ہے۔“ جان رائٹ نے اپنے آقا کو بتایا۔ حیدر علی کی آمد کے بارے میں سن کر نواب ارکاٹ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔

”جناب والا! اسے معلوم نہ ہو کہ میں یہاں موجود ہوں“۔

والاجاہ محمد علی کی آواز میں سخت بے چینی تھی۔

”میرے سارے اندازے درست ثابت ہوئے اور شکار، جال تک آپہنچا۔ آپ پر منحصر ہے کہ اس موقع سے کس قدر فائدہ اُٹھاتے ہیں“۔

دراصل نواب ارکاٹ کی بدعہدی اور کمینگی کی وجہ سے حیدر علی اس سے سخت نالاں تھا۔ اگر کسی طرح اس کے ہاتھ آجاتا تو والی میسور اسے ہمیشہ کے لئے زنداں کے حوالے کر دیتا یا پھر زندان میں لے جا کر ذبح کر ڈالتا۔ اسی لئے والاجاہ محمد علی، گورنر مدراس کو بھڑکا کر حیدر علی کا کام تمام کر دینا چاہتا تھا۔

❀......❀......❀

حاضر جواب

ایک دن نوشیرواں عادل شکار کو جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے ایک بوڑھے کو ایک پودا لگاتے ہوئے دیکھا، بادشاہ نے بوڑھے سے پوچھا، بابا! تمہیں یقین ہے کہ تم اس پودے کا پھل کھا سکو گے؟

بوڑھے نے نہایت ادب سے فوراً جواب دیا: عالم پناہ! ہم زندگی بھر دوسروں کے لگائے ہوئے درختوں کے پھل کھاتے رہے ہیں، اب ہمارے لگائے ہوئے درختوں کے پھل دوسرے کھائیں گے۔

بوڑھے کی اس حاضر جوابی پر بے حد خوش ہوا اور اسے سو دینار انعام میں دیے۔ بوڑھے نے جھک کر سلام کیا اور کہا، دیکھا عالی جاہ! میرا لگایا ہوا پودا تو میری زندگی ہی میں پھل لے آیا۔ اس پر بادشاہ اور بھی مسرور ہوا اور مزید سو دینار بوڑھے کو مرحمت کیے۔ دوسرا انعام لیتے ہوئے حاضر جواب بوڑھے نے کہا، دیکھئے حضور! دوسروں کے لگائے ہوئے درخت سال میں ایک بار ہی پھل لاتے ہیں مگر میرا درخت تو ایک دن میں دو بار پھل لے آیا۔

بادشاہ کو بوڑھے کی یہ بات بھی پسند آئی چنانچہ تیسری بار سو دینار دینے کا حکم فرمایا۔

اس طرح حاضر جواب بوڑھے نے فیاض بادشاہ سے تین انعامات حاصل کیے۔ (ماخوذ از کتاب، گل ہائے خنداں)

انتخاب: حسنین معاویہ، بہاولپور



لینہ آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی۔ وہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی، لیکن اکلوتے پن نے اسے بگڑنے نہیں دیا تھا۔ وہ ایک سمجھدار اور ذہین بچی تھی۔ بڑوں کا کہا مانتی تھی۔ کچھ عرصہ قبل اس کے اسکول میں ایک نئی بچی آئی تھی۔ لینہ نے پہلے دن اس کی مدد کے جذبے سے اسے ساتھ بٹھایا۔ عنایہ لینہ کے رویے سے بہت متاثر ہوئی اور اس سے دوستی کرلی۔

عنایہ بے شک پڑھائی میں ایک اچھی بچی تھی۔ دونوں کی کئی باتیں ملتی جلتی تھیں۔ وہ دونوں کلاس میں ایک ساتھ بیٹھتی تھیں۔ جلد ہی ان کی دوستی پورے اسکول میں مشہور ہوگئی۔ فرینڈ شپ ڈے پر دونوں نے ایک دوسرے کو تحفے وغیرہ دیئے۔ عنایہ ایک دو بار لینہ کے گھر بھی آئی تھی۔

اب تو حالات یہ تھے کہ لینہ کے منہ پر ہر وقت عنایہ کا ہی ذکر رہتا تھا۔ لینہ کے بھائی سارا دن اس کے منہ سے عنایہ نامہ سنتے تھے۔ کبھی اس کی باتوں پر دل سے مسکرا دیتے تھے۔ کبھی دونوں ایک دوسرے کو تحائف دیتیں تو کبھی ایک دوسرے کے لئے کارڈز بناتیں۔ ایک دوسرے سے دوستی کا یہ

عالم تھا کہ اگر دونوں میں سے کوئی ایک اسکول سے چھٹی کر لیتا تو دوسری کا بھی دن نہ گزرتا تھا۔

یوں ہی دن گزرتے گئے، اسکول میں مڈ ٹرم کے ایگزامز شروع ہونے والے تھے۔ یہ ان دونوں کے اکٹھے پہلے پیپرز تھے۔ لبینہ نے عادت کے مطابق بہت اچھی تیاری کی تھی۔ ابھی پیپرز میں ایک ہفتہ باقی تھا۔ صبح صبح کا پیارا سا وقت تھا۔ کلاس میں موجود گلاس ونڈو سے ہلکی سی دھوپ کی شعائیں روشن دن کی علامت تھیں۔ اردو کی ٹیچر اس وقت کلاس میں موجود تھیں۔ تبھی کلاس کی دروازے پر دستک ہوئی اور میم ایک بچی کے ساتھ کلاس میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے فاطمہ کا تعارف سب سے کروایا۔ فاطمہ کے ابو کا ٹرانسفر جاب کے سلسلے میں اس شہر میں کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ سال کے درمیان میں آئی تھی۔

لبینہ اور عنایہ چونکہ کلاس کی ذہین اور اچھی بچیاں تھیں، اس لئے ٹیچر نے فاطمہ کو ان کے ساتھ ہی بٹھا دیا۔ اردو کی ٹیچر مس ارم نے انہیں آج علامہ اقبال کی نظم ”مکڑا اور مکھی“ کی دہرائی کروائی تھی۔ انہوں نے سب بچوں کو تلقین کی کہ وہ اس کو اچھی طرح سے تیار کر لیں، کل کلاس میں اس کا ٹیسٹ لیں گی۔ اس طرح پورا دن مکمل طور پر اچھا گزرا اور وہ سب گھر کو لوٹ گئے۔

شام میں ہوم ورک کرتے ہوئے لبینہ نے اپنے بڑے بھائی عمیر سے مدد لیتے ہوئے نظم کی تشریح اچھی طرح سے تیار کر لی۔ اگلے دن صبح لیکچر شروع ہوتے ہی ان کو ٹیسٹ کے لئے دور دور بٹھا دیا۔ مس ارم نے لبینہ، عنایہ اور فاطمہ کو ساتھ بیٹھے دیکھا تو لبینہ کو آگے بلا لیا۔ ٹیسٹ کے دوران عنایہ نے لبینہ سے ایک شعر کا مفہوم پوچھا۔ لبینہ نے سر اٹھا کر دیکھا تو ٹیچر انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔ وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔ ٹیسٹ ختم ہوا تو عنایہ اور فاطمہ کلاس سے باہر چلے گئے۔

فاطمہ نے عنایہ کو کہا کہ وہ کیسی دوست ہے، لبینہ نے تو اس کی ذرا بھی مدد نہیں کی، وہ چاہتی ہے کہ صرف اس کے ہی زیادہ نمبر آئیں۔ عنایہ اپنا ٹیسٹ برا ہونے پر بے حد پریشان تھی۔ اس نے فاطمہ کی باتوں میں آ کر لبینہ سے خوب بحث کی۔ لبینہ نے غلطی نہ ہونے کے باوجود بھی اسے بہت دیر تک منایا مگر فاطمہ عنایہ کو لے کر گراؤنڈ میں چلی گئی۔

اور پھر عنایہ نے آہستہ آہستہ فاطمہ کو گہرا دوست بنا لیا۔ اس نے لبینہ کی جگہ فاطمہ کو دے دی۔ یہ چیز لبینہ کو بہت پریشان کرنے لگی۔ وہ خوامخواہ بہت اداس ہوگئی۔

عنایہ اس کی بیسٹ فرینڈ تھی اور وہ اس سے دوستی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ وہ گھر آئی تو بے حد اداس تھی۔ اس کی امی نے کھانے کے لئے بلایا تو لبینہ نے اداسی سے کہا۔

”امی! میں کھانا نہیں کھاؤں گی“

اور اپنی کاپی پر جھک گئی۔

''بیٹی! ضد نہیں کرتے نا، اچھی بیٹی ہونا، دیکھو امی! پریشان ہو رہی ہیں'' اس کی امی نے پیار سے کہا۔ وہ سارا وقت اسے نوٹ کر رہی تھیں۔ آج ان کی بیٹی خاموش تھی۔

''نہیں امی میں نہیں ہوں اچھی، مجھے نہیں کرنی کسی سے بھی بات، میں کھالوں گی کچھ دیر بعد کھانا'' وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ اس کی امی نے پریشانی سے اسے دیکھا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد عمیر گھر آیا تو ہمیشہ کے برعکس دروازہ لبینہ نے نہیں بلکہ امی نے کھولا تھا۔ اس نے گھر میں سناٹا پا کر لبینہ کا پوچھا تو امی نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ وہ نہ صرف اپنی لاڈلی بہن کے اداس ہونے کی وجہ سے پریشان ہوا بلکہ حیران بھی ہو گیا۔ لبینہ تو ہمیشہ ہی ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔ امی کو تسلی دیتے ہوئے وہ کھانے کی ٹرے لے کر لبینہ کے کمرے میں داخل ہوا۔

ٹرے بیڈ پر رکھ کر اس نے خود پہلا نوالہ بنا کر لبینہ کے منہ میں ڈالا اور اسے کھانا کھانے کی تلقین کی۔ دونوں بہن بھائیوں نے کھانا کھایا۔ کھانا ختم کرنے کے بعد عمیر نے ہلکے پھلکے انداز میں بہن سے اس کی اداسی کی وجہ دریافت کی۔ لبینہ نہ صرف عمیر کی لاڈلی بہن تھی، بلکہ وہ ہر بات اسے بتایا کرتی تھی۔ اس کے پوچھنے پر اس نے فر فر ساری باتیں بتا دی کہ کیسے عنایہ نے فاطمہ کی باتوں میں آ کر اس سے دوستی توڑ دی۔

''ہممممم'' عمیر نے گہرا سانس لیا۔ اور نرمی سے گویا ہوا کہ پیاری بہن! آپ کو عنایہ جیسی دوست کیسے ملی؟

''ہماری سکول میں دوستی ہوئی تھی بھائی'' اس نے تعجب سے جواب دیا، وہ جانتی تھی کہ عمیر اس بات سے واقف ہے۔

''اور اس پہلے آپ کی دوست کہاں رہتی تھی؟''

عمیر نے پھر دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

''بھائی وہ تو سندھ میں رہتی تھی'' لبینہ نے ذرا چڑ کر کہا۔

''تو میری پیاری بہنا! عنایہ کو آپ کا دوست اللہ تعالیٰ نے بنایا نا، اگر اللہ نہ چاہتے تو اس کی دوستی آپ سے کیسے ہو سکتی تھی؟'' عمیر نے پیار سے سمجھایا۔

''لیکن بھائی پھر وہ میری دوست بن گئی تھی ناں وہ بھی اتنی زیادہ اچھی، پھر اس نے کیوں مجھ سے لڑائی کی؟ میرا دل ٹوٹ گیا نا، آپ کو پتہ ہے مجھے اتنی عادت تھی ہر چیز اس سے شیئر کرنے کی اور ہم نے فرینڈ شپ ڈے پر وعدہ کیا تھا کہ ہم ساتھ رہیں گے۔'' اس کی لمبی سی جذبات سے بھرپور دلیل پر عمیر نے اپنے چہرے پر آتی مسکراہٹ کو روکا اور یوں مخاطب ہوا۔

''میری پیاری سی گڑیا! دیکھو اب آپ سمجھدار ہو گئی ہو نا، آپ اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لو کہ یہ جو بھی ہماری دوستیاں ہیں چاہے وہ بیسٹ فرینڈ ہی کیوں نہ ہوں یہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہیں، انہیں ہم

سے دور تو ہونا ہی ہے ناں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم بھول جاتے ہیں کہ ہمارے بیسٹ فرینڈ تو اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ کو اچھا تھوڑی لگے گا اگر ہم ان کی جگہ پکی پکی کسی اور کو دے دیں گے۔ جب ہم اللہ کی بجائے کسی اور کے بہت قریب آجاتے ہیں نا تو پھر ہمارا تعلق اللہ سے ویسے والا نہیں رہتا، ہم اپنے سب خیالات، ٹائم اور اہم راز اپنے اس دوست کو دے دیتے ہیں نا تو کیا یہ اچھی بات ہے؟" عمیر نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بھائی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہمارے لئے تو ہماری فرینڈ ہی سب سے اہم ہوتی ہیں نا اور ہاں اللہ تعالیٰ بھی!"

"بس یہی تو بات ہے نا! اچھا آپ کو یاد ہے کچھ دن پہلے میں نے آپ کو ایک علامہ اقبال کی ایک نظم تیار کروائی تھی ٹیسٹ کے لئے، کیا نام تھا اس کا؟"

"مکڑا اور مکھی"

"ہاں تو اس سے ایک مثال دوں تو یہ کہ ہم جو انسان ہیں نا انہوں نے کچھ دوسرے لوگوں کو یا کچھ چیزوں کو جیسے کہ موبائل، گیمز وغیرہ ان کو بہت اہمیت دے دی ہے جبکہ اصل میں یہ تو بس مکڑی کے جالے کی مانند ہیں۔ آپ دیکھتی ہیں نا جب گھر میں کہیں جالا لگا ہو تو وہ کیسے ایک دفعہ جھاڑو پھیرنے سے صاف ہو جاتا ہے؟" عمیر نے ایک دفعہ پھر اس پر رائے لینا چاہی۔

"جی بھائی! اور مجھے سمجھ آگئی ہے یہ سب بونڈز اور لنکس بھی ایسے ہی ہیں، ان کی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا یہ تو بہت کم عرصے کے لئے ہیں۔ اصل میں تو ہمیں اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے سٹرونگ کرنا ہے۔" لینہ پرسوچ انداز میں بولی۔

"بالکل ایسا ہی ہے، ہمیں صرف یہ فکر کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا رشتہ کیسے سب سے زیادہ بہترین بنانا ہے اور آپ کو پتہ ہے جب اللہ تعالیٰ کو لگتا ہے نا کہ آپ اس سے دور جا رہے ہیں تو وہ آپ پر ان بیسٹ فرینڈز یا دنیا کے کچھ وقت کے لئے بنے دوستوں سے دور کر دیتا ہے اور آپ کو سمجھ آجاتا ہے کہ آپ نے اپنی فیلنگز کہاں استعمال کرنی ہیں" عمیر نے تفصیلی جواب دیا۔

"عمیر بھائی! مجھے سمجھ آگیا ہے، میں جان گئی ہوں کہ میں نے ان جالوں سے کیسے دور رہنا ہے؟" لینہ نے ایک عزم سے کہا۔

"شاباش! اتنی سمجھداری والی بات پر پھر لینہ کے لئے انعام تو بنتا ہے نا بھئی!" کمرے میں داخل ہوتی امی جان نے مسکرا کر کہا۔

"ہیں، ہیں کون سا انعام، اتنی دیر میں نے اس چھوٹی بلی کو سمجھایا ہے مجھے ملنا چاہیے انعام" عمیر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بھائی! یہ غلط بات ہے" لینہ نے منہ بسورا تو عمیر مسکرا کر اس کے لئے چاکلیٹ لینے باہر چلا گیا۔

❁......❁......❁



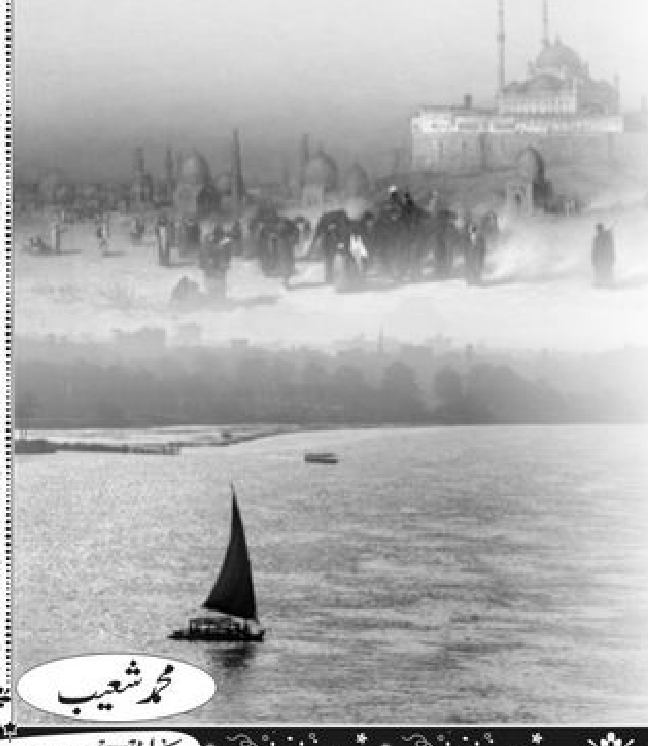
مسلمان بڑے عرصے سے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، انہوں نے قلعے کی تسخیر کے لئے لاکھ جتن کر لیے مگر فتح کی کوئی صورت بھی نہ بن پڑی، بلکہ الٹا قلعے کا کافر سردار مسلمانوں کو تھوڑا سا غافل پاتا، تو فوراً چور دروازے سے نکل کر شب خون مار دیتا تھا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کو بھاری نقصان پہنچا کر واپس چلا جاتا۔

مسلمانوں کے امیر نے جب لشکر کی یہ حالت دیکھی تو بڑے فکر مند ہوئے اور مسلمانوں سرداروں کی شوریٰ طلب کی۔

بعد ازیں سخت پہرہ لگا دیا، سرداروں کو حکم فرمایا کہ قلعے کے راستوں کی پوری پوری نگہداشت کریں اگر کوئی چڑیا بھی اندر یا باہر آئے تو اسے شکار کر لیں۔ لیکن اس پیش رفت سے بھی کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہو سکا، بلآخر محاصرے نے طول کھینچا تو امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح راضی اللہ عنہ طویل قیام سے گھبرا اٹھے اور حضرت خالد بن ولیدؓ سے فرمایا:

''اے خالد! ضرور ہم میں کوئی جاسوس ہے جو پل پل کی خبریں دشمن تک پہنچا رہا ہے''

حضرت خالد بن ولیدؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ ''اچھا تو یہ بات ہے'' اور پھر اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر لشکر کا چکر لگایا، آپ رضی اللہ عنہ برابر گشت کرتے رہے یہاں تک کہ نصرانی عربوں میں سے ایک شخص پر آپ کو شک گزرا، آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے معلوم کر لیا کہ یہی وہ جاسوس ہے جو دشمنوں تک خبریں پہنچا رہا ہے۔



محمد شعیب

چنانچہ آپ ؓ نے فوراً اسے گرفتار کرلیا، اور اس سے تفتیش کی مگر وہ مکر گیا لیکن حضرت خالد ؓ اس کو پکڑ کر امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ! ''اے ابو سلیمان اس کا امتحان کرلو!''

حضرتِ خالد رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

''اے امیر! وہ کیسے؟''

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نماز اور قرآن سے''

یوں اس نصرانی عرب کا بھانڈا پھوٹ گیا بعد اس کے جب صحابہ ؓ نے اس پر اسلام پیش کیا تو وہ اسلام لے آیا۔

اس کے بعد بھی مسلمان مسلسل پانچ ماہ تک حلب شہر کے قلعے کا محاصرہ کیے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم ؓ سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی چلتا رہا، امیر المومنین ؓ نے مسلمانوں کے حالات معلوم کیے تو کمک کے لئے مزید لشکر بھیجا جس میں ایک غلام بھی تھے، جب انہوں نے مسلمانوں کی اس حالت کو سنا تو غصے سے آگ بگولہ ہوگئے اور کہا:

''خدا کی قسم! میں خوب کوشش کروں گا کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے دشمنوں کی مٹی پلید فرمادیں۔''

وہ ملوک کندہ کے غلاموں میں سے ایک دراز قامت بھاری ڈیل ڈول والے، لحیم شحیم، لمبے تڑنگے غلام تھے، تیز رفتار اتنے کہ اگر وہ دوڑ پڑیں، تو تیز رو عربی گھوڑا ان کی گرد کو نہیں پاسکتا تھا، ان کی بہادری کے کارنامے بیک وقت بلادِ کندہ، حضر موت اور ارضِ شجر میں زبان زد عام تھے۔ دشمن ان کی ہیبت، شجاعت، دبدبے سے انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔

بہر حال! جب مسلمانوں کا یہ لشکر اسلامی سپاہ کی مدد کو پہنچا تو وہ ابھی تک محاصرہ قائم رکھے ہوئے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ ؓ نے آنے والے لشکر کا استقبال فرمایا، اسلامی لشکر نے تلواروں کو میان سے نکال کر بلند کیا اور فضا ان کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔

ملوک کندہ کے ان غلام کا نام ''ابو الہول دامس'' تھا، انہوں نے قوم کو اتنا سخت پہرہ دیتے ہوئے دیکھا تو فرمانے لگے:

''خدا کی قسم! تم بڑا ہی سخت پہرہ دے رہے ہو''

قوم کہنے لگی:

''دشمن مقابلے پر ہے پہرہ کس طرح نہ دیں؟''

داس کہنے لگے:

''افسوس ہے تم پر، تم کھلی اور فراخ زمین میں ہو اور تمہارا دشمن قلعے میں محصور ہے تمہارے مقابلے میں تو ہے ہی نہیں جو تمہیں ڈرائے، پھر خوف کس بات کا؟؟''

انہوں نے کہا:

''اے ابو الہول! اس قلعے کا سردار ایسا منحوس اور شاطر شخص ہے جو ہمیں تھوڑا سا غافل

پاتے ہی شب خون مار دیتا ہے“

دامس رحمۃ اللہ علیہ ابھی جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ ایک طرف سے شور وغوغا بلند ہوا انہوں نے فوراً اپنی تلوار میان سے کھینچی اور ڈھال کو کندھے پر ڈالا اور پھر جس طرف سے شورِ عظیم بلند ہوا تھا دوڑ پڑے، قلعے کا سردار یوفنا اپنے پانچ سو سورماؤں کو لیکر مسلمانوں کے لشکر پر چڑھ آیا تھا۔

دامسؒ جب ان لوگوں کے درمیان آپہنچے تو اپنی تلوار پر گرفت مضبوط کی اور حسب ذیل رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے لشکر کفار کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے۔

”میں ابوالہول ہوں۔ میرا نام دامس ہے۔
نیزہ مار مار کر تمہاری جماعت پر حملہ آور ہوتا ہوں۔
شیر ہوں شیر اور سخت لڑنے والا بہادر ہوں اور دشمنوں کی صفوں کو چیر کر رکھ دیتا ہوں“

کہتے ہیں کہ دامس یہ کہتے جارہے تھے اور دشمنوں کی صفوں کو الٹتے جاتے تھے، جس کے جسم پر بھی ان کی تلوار پڑ جاتی وہ خون آلود ہوئے بغیر نہ رہتا، گویا وہ لشکر کفار پر ایک عذاب شدید کی صورت میں ٹوٹ پڑے تھے۔

ان کے ساتھ بنی ظریف کے دیگر بہادر سوار بھی تھے۔ ان سب نے ملکر کفار کا وہ حشر کیا کہ وہ واپس پلٹنے پر مجبور ہو گئے۔

دامسؒ نے قلعے تک ان کا تعاقب کیا اور دشمن کے دو سو آدمی اس جھڑپ میں مارے گئے، دامس ابھی بھی تعاقب کرنا چاہتے تھے مگر حضرت ابو عبیدہؓ نے قسم دیکر انہیں واپس بلالیا، کیونکہ رات کی تاریکی میں خطرہ تھا کہ دشمن کہیں چکمہ دیکر چور راستوں سے ان پر حملہ آور ہو جائے۔

صبح ہوئی تو تمام صحابہؓ بوقت سحر اپنے رب کے حضور سر بسجود ہوئے۔ تکبیر و تہلیل کی اور نہایت گریہ وزاری سے اپنی فتح اور نصرت کی دعائیں مانگیں، اس کے بعد امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اللہ سبحانہ عزوجل کی حمد اور جناب رسالتِ مآب ﷺ کی خدمت میں ھدیہ درود سلام پیش کیا، بعدازاں رات والے قصے سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی، اور حضرت دامسؒ کو احتیاط اور بچاؤ کی تلقین فرمائی اور کہا:

”یوفنا ایک ہوشیار اور چالاک سردار ہے۔ اس کے مکر سے بچتے رہنا اور اپنے اوپر رحم کرنا۔ میں نے جو واقعات تمہاری بہادری اور شجاعت کے سنے ہیں خدا کی قسم! تم واقعی ان کے اہل ہو، لیکن تم نے ابھی تک میدانوں میں دادِ شجاعت دی ہے جہاں پر پہاڑوں اور قلعوں کا تصور تک نہیں تھا، اس لیے نہایت احتیاط کو کام میں لانا۔

دامسؒ نے جواب میں عرض کیا:

”اللہ تعالیٰ ہمارے سردار کو نیکی عطاء فرمائیں! میں نے کئی مرتبہ ایسی قوموں کے تاج و تخت کا ویران کیا ہے۔ ان کے پہاڑ بڑے اونچے، بلند اور نہایت پیچیدہ پیچیدہ دروں اور

بڑے بڑے پتھروں کی سلوں والے ہیں، یہ پہاڑ تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، جب وہ میرے کام میں رکاوٹ نہیں بن سکے تو یہ کسی طرح رکاوٹ بن سکتے ہیں؟''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تمہیں نہایت ہوشیار سمجھتا ہوں، کیا تمہارے ذہن میں اس قلعے کی تسخیر کی کوئی صورت سمجھ آتی ہے؟''

دامسؒ کہنے لگے۔

''جب میں اپنے گروہ کے ساتھ آپ کی طرف آرہا تھا تو اثنائے راہ میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر چاہا تو اس کی تعبیر نہایت عمدہ اور نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔''

پھر انہوں نے اپنا خواب بیان کیا:

''میں نے دیکھا کہ میں اور میری قوم کسی دوسری قوم پر چڑھائی کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے۔ اچانک کسی وجہ سے میں ان سے پیچھے رہ گیا پھر میں نے کوشش کی کہ کسی طرح اپنی قوم سے جاملوں، بس میں تیزی سے چلنے لگا حتیٰ کہ جب میں اپنی قوم سے ملا تو میں نے دیکھا کہ وہ حیران و پریشان ایک جگہ ٹھہری ہوئی ہے، نہ آگے بڑھتی ہے اور نہ پیچھے لوٹتی ہے میں نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو گویا ہوئی۔

''تم اس پہاڑ کو نہیں دیکھ رہے جو سینہ تانے ہماری راہ میں حائل ہے اور سد سکندری کا کردار ادا کر رہا ہے اور اس میں کوئی درہ اور راستہ نہیں جس سے گزر کر ہم پار اتر سکیں''

میں نے کہا:

''افسوس ہے تم لوگوں پر! آنکھیں کھول کر دیکھو تو سامنے ایک بڑا سا شگاف واضح طور پر دکھائی دے رہا ہے۔ انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا:

''افسوس تو اسی پر ہے کہ ہم اس شگاف سے نہیں گزر سکتے، اس لیے اس شگاف کے اندر ایک بہت بڑا اژدہا پھنسا ہوا ہے جو پوری شگاف پر قابض ہے۔''

میں نے کہا:

''کیا تم لوگ اکٹھے مل کر بھی اس پر حملہ نہیں کر سکتے کہ اسے ہلاک کر کے نکل جاؤ''

انہوں نے جواب دیا:

''ہرگز نہیں اس کے تو منہ سے آگ کے شرارے نکل رہے ہیں''

میں نے دوبارہ کہا:

''کیا تم لوگ اس کے پیچھے سے جا کر کوئی تدبیر نہیں کر سکتے کہ کس طرح اس بلاء سے جان چھوٹے''

انہوں نے کہا:

''بالکل بھی نہیں! یہ اژدھا اتنا عظیم الجثہ ہے کہ پورے شگاف کے اندر پھنسا ہوا ہے اور کسی دوسرے راستے سے جانا ممکن ہی نہیں''

دامس ؒ کہتے ہیں کہ جب میں خواب ہی خواب میں اس ناگہانی مصیبت کو دیکھا تو نہایت پریشانی کے عالم میں ان کو چھوڑا اور خود اس کے پیچھے پہنچنے کا راستہ تلاش کرنے کے لئے چل پڑا، انتہائی تلاش و جستجو کے بعد مجھے ایک بہت ہی تنگ سوراخ نظر آیا، میں بدقت تمام ہزار کوششوں سے اس میں سے گزرنے میں کامیاب ہوگیا، پھر کیا تھا میں نے دیوانہ وار دوڑ لگائی اور اژدھے کے سر پر پہنچ کر اس کا کام تمام کردیا، میری قوم بھی بڑی مشکل اور سخت مشقت کے بعد مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی، مگر اس وقت تک اژدہا اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا، اس کے بعد ہم بے خوف ہو کر دشمن پر چڑھ دوڑے۔ اسی خوشی میں میری آنکھ کھل گئی۔''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ خواب سماعت فرمایا تو فرمانے لگے:

''اگر اللہ نے چاہا تو تمہارا یہ خواب عمدہ، بہترین اور مسلمانوں کے لئے بشارت کا موجب ہوگا''

اس کے بعد آپ ؓ نے انہیں بیٹھنے کا حکم فرمایا اور منادی کے ذریعے اعلان فرمایا کہ مسلمان یہاں پر جمع ہوجائیں، چنانچہ رؤسائے مسلمین اور امرائے مومنین جمع ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر فرمایا:

''اللہ اکبر، اللہ اکبر! باری تعالیٰ نے ہمیں فتح نصیب فرمائی اور ہمیں مظفر و منصور فرمایا، جس نے اس کو جھٹلایا وہ برباد اور خسارے میں مبتلا ہوا، اے مسلمانو! دیکھو خوب غور و خوض سے اپنے بھائی کا خواب سنو، اس میں عبرت اور نصیحت ہے اس شخص کے لئے جو اسے قبول کرے؟

تم میں سے جو دور ہیں وہ قریب آجائیں اور قریب والے توجہ سے سنیں!''

اس کے بعد حضرت دامس ؒ نے اپنا خواب سنایا۔

جب وہ اپنا خواب سنا چکے تو مسلمان امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ ؓ کی طرف مخاطب ہوئے اور خواب کی تعبیر کے متعلق استفار کرنے لگے:

''آپ رضی اللہ عنہ نے مختصراً فرمایا کہ اس میں مومنین کے لئے بشارت ہے، اور دامس ؒ کا اپنی تلوار سے اژدہے کو قتل کرنا بھی کسی امر حسن کی طرف اشارہ ہے۔''

مسلمان یہ تعبیر سن کر نہایت خوش ہوئے اور عرض کیا کہ اے امیر! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

''لوگو! سب سے پہلے میں تم کو سراً اور جہراً اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم کرتا ہوں اس کے بعد برضاء و رغبت صبر اور شکر کے ساتھ دشمنوں پر شدت اور سختی کرنے کا، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں، اب تم لوٹ جاؤ اور اپنے آلاتِ حرب درست کرو جن کے ہم زیادہ محتاج تو نہیں'' یہ سن کر لوگ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے۔

کسی نے تلوار تیز کرنا شروع کی، کوئی تیر و کمان درست کرنے لگا، کسی نے زرہ کو ٹھیک کر کے رکھا اور کوئی گھوڑے کی خدمت اور دیکھ بھال میں لگ گیا۔

صبح ہوئی تو حضرت ابوعبیدہؓ نے دامسؒ کو بلا بھیجا، جب وہ آئے تو آپؓ نے فرمایا:

''خدا کے بندے تمہاری اس قلعے کے متعلق کیا رائے ہے؟''

انہوں نے عرض کیا:

''اے امیر! یہ قلعہ انتہائی بلند اور مضبوط ہے، جو حملہ آور فوجوں کو عاجز اور بے دست و پا کر دے، محاصرہ کرنے والے بھی اس کو کوئی تکلیف اور تنگی نہیں پہنچا سکتے۔

ہاں البتہ میری سمجھ میں ایک حیلہ اور ترکیب آئی ہے جس سے ہم ان پر غلبہ پا سکتے ہیں اگر اللہ نے چاہا تو!''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

''دامس! وہ حیلہ کیا ہے؟''

دامسؒ نے جواب میں عرض کیا:

''اللہ امیر کو سلامت رکھیں! آپ خود ہی تو راز کو افشاء کرنے اور پوشیدہ بات کے ظاہر کرنے کی مذمت اور شرارت اور اسے چھپانے کی خوبیوں سے واقف ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ بھید چھپا ہوا ہی بہتر اور اچھا ہوتا ہے''

حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا:

''اچھا ٹھیک ہے چلو یہ تو بتا دو کہ تمہیں اس ترکیب میں کن چیزوں کی ضرورت ہوگی، تاکہ میں مہیا کر دوں۔''

انہوں نے عرض کیا:

''آپ صرف یہ کریں کہ تمام سپاہ کو لیکر قلعے کے سامنے فروکش ہو جائیں گویا آپ ان پر حملہ کرنے والے ہیں، تاکہ دشمن یہ دیکھ کر ہیبت زدہ ہو جائے اور خوفزدہ ہو کر حوصلہ چھوڑ بیٹھے، میں اپنا حیلہ کروں گا، اگر اللہ نے چاہا تو وہ ضرور ہمیں فتح سے ہمکنار فرمائے گا''

چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے لشکر کو روانگی کا حکم دے دیا اور قلعے کے پاس آکر ڈیرے ڈال دیئے، اور دشمنان خدا کو ڈرانا شروع کر دیا۔ رومیوں کی ایک جماعت قلعہ کی فصیل پر آکھڑی ہوئی، اور مسلمانوں کی چستی اور چالاکی کو دیکھ کر گھبرا اٹھی۔

قلعے کے محصورین پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ ان کے دل مضطرب اور بے چین ہو گئے، اور آپس میں لڑائی کے بارے میں مشورے کرنے لگے، کسی نے کہا قلعے میں بند ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، کوئی لڑائی پر آمادہ ہوا، بالآخر بات اسی پر طے ہوگئی کہ قلعہ بند ہو کر اوپر سے پتھروں اور تیروں سے لڑائی کی جائے۔

چنانچہ رومی قلعے کے برجوں اور فصیلوں پر چڑھ کر لڑنے لگے،، ایک دن اور رات مسلسل لڑائی جاری رہی دوسرے دن لڑائی تو موقوف ہوگئی مگر مسلمان

سینتالیس دن تک لڑتے رہے، اسی دوران دامسؓ نے ہر قسم کا حیلہ آزمالیا مگر وہ کسی طرح بھی اپنی ترکیب میں کامیاب نہ ہو سکے، اور قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ اتنے عرصہ میں بھی اس کو کوئی گزند تک نہ پہنچ سکی۔

بلآخر جب سینتالیس دن گزر گئے تو حضرت دامسؓ کو ایک انوکھی تدبیر سوجھی اور وہ حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

''اے امیر! میں عاجز آ گیا، اتنے عرصے میں میں نے بڑی تدبیریں کیں، مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہو سکیں، اب اللہ تعالیٰ نے ایک تدبیر ذہن میں ڈالی ہے امید کرتا ہوں کہ اب ضرور اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائیں گے اور ہمیں کامیابی سے ہمکنار فرمائیں گے۔''

وہ تدبیر کیا ہے؟''

''حضور آپ روٴ سائے لشکر میں سے تیس افراد میرے ماتحت کریں اور انہیں ہدایت فرمائیں کہ وہ بلا چوں و چرا میرے حکم کی پاسداری کریں''

حضرت ابو عبیدہؓ نے بہادرانِ اسلام اور شجاعان ایمان میں سے تیس آدمی منتخب کر کے ان پر دامسؓ کو سردار مقرر فرما دیا جسے ان تمام نے بسرو چشم قبول کر لیا۔

(یہی تو اسلام کی خوبی ہے کہ غلاموں تک کو امیر بنا لینے میں عار محسوس نہیں کی جاتی بشرطیکہ وہ اہل اور متقی ہو)

(باقی آئندہ)

اللہ کی یاد

ایک دن بیماری نے دولت سے کہا کہ تم کتنی خوش نصیب ہو کہ ہر کوئی تمہیں پانے کی کوشش کرتا ہے اور میں کتنی بدنصیب ہوں ہر شخص مجھ سے دور بھاگتا ہے۔

دولت بولی، خوش نصیب تو تم ہو جسے پا کر لوگ اپنے خدا کو یاد کرتے ہیں اور بدنصیب تو میں ہوں جسے پا کر اکثر لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں۔





اویس کی عمر تقریباً اٹھائیس سال تھی۔ وہ تندرست اور محنت کش نوجوان تھا۔ اس نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ صبح سویرے اٹھتا نماز ادا کرنے کے بعد کھانا کھا کر آفس چلا جاتا یہی اس کا روز کا معمول تھا۔

ایک صبح جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو موذن اذان دے رہا تھا۔ اس نے وضو کیا اور نماز کیلئے مسجد کی طرف چل دیا۔ مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد گھر واپس آ گیا۔ آفس جانے کے لیے تیاری کی اور کام کے لئے چل پڑا۔ کچھ دیر بعد کمپنی کے سامنے کھڑا تھا۔

وہ کمپنی میں داخل ہونے کی بجائے وہیں کھڑا کمپنی کے دروازے کو دیکھتا رہ گیا کیوں کہ دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ وہ حیران و پریشان ہو گیا۔ اس نے فون نکالا اور تیزی سے نمبر ملانے لگا۔ اس نے اپنے مالک کو کال ملائی۔

”جی! کون بول رہا ہے؟“ کال ملتے ہی فون سے ایک آواز آئی جو اس کے مالک کی تھی۔

”سر! میں اویس بول رہا ہوں۔ کمپنی کے باہر کھڑا ہوں لیکن دروازے پر تالا لگا ہوا ہے۔“ اس نے کہا۔

”اویس! میں تو تمھیں بتانا ہی بھول گیا اب کمپنی بند ہو چکی ہے۔“ انھوں نے کہا۔

”بند ہو گئی ہے؟ کیا مطلب میں کچھ سمجھا

نہیں؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ہمارے منیجر سعید کمپنی کے اکاؤنٹ کو خالی کر کے بھاگ گئے ہیں اور کچھ بھی نہیں چھوڑا جس کی وجہ سے بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔ پولیس اسے ہر طرف ڈھونڈ رہی ہے مگر اس کا کہیں نام ونشان نہیں ہے۔" انھوں نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے کہا اور کال کٹ گئی۔

وہ حیران و پریشان ہو کر گھر واپس آ گیا اور وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے گا۔ وہ نوکری کے بارے میں پریشان اور فکر مند تھا۔ اسے یقین تھا کہ کسی نہ کسی کمپنی میں اسے نوکری مل جائے گی۔ وہ یہی سوچ کر گیا اور اب خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔

سورج اپنی شعاعیں ہر طرف پھیلائے ہوئے تھا۔ وہ ایک خوبصورت لباس زیب تن کرنے کے بعد نوکری کی تلاش میں نکل پڑا۔ اس نے ایک کمپنی میں جا کر نوکری کی درخواست کی انھوں نے اسے نوکری دینے سے انکار کر دیا۔

اس نے سوچا کہ کسی اور کمپنی میں کوشش کرے گا تو اسے ضرور نوکری مل جائیگی۔ سورج غروب ہونے کے بعد وہ گھر واپس آ گیا۔ وہ بہت تھک چکا تھا اسی وجہ سے کھانا کھائے بغیر ہی سو گیا۔ اس نے کچھ رقم اکٹھی کی ہوئی تھی تا کہ مشکل وقت میں کام آ سکے۔ اب وہ اسی رقم سے ہی اپنا گزر بسر کر رہا تھا۔

ایک ہفتہ گزرنے کے بعد اس کی جمع پونجی ختم ہونے کو تھی مگر ابھی تک اسے نوکری نہیں ملی تھی اس کے ساتھ ساتھ اس کی پریشانی اور بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ سڑک کے کنارے پر خراماں خراماں چل رہا تھا۔ وہ ایک مناسب جگہ پر بیٹھ گیا۔

ابھی وہ اپنے ہی خیالوں میں گم سم بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک شخص اس کے بغل میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اس شخص کو حیرانی کے عالم میں دیکھا۔

"کیوں پریشان بیٹھے ہو؟"

اس شخص نے کہا۔

"آپ کو کیا مسئلہ ہے؟ جائیں اپنا کام کریں۔" اس نے کہا۔

"میں تو بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔ اچھا اب بتا بھی دو کیا پتا میں تمھاری مدد کر سکوں۔"

اس شخص نے کہا۔

"نوکری ڈھونڈ رہا ہوں۔"

اس نے غصے میں کہہ دیا۔

"اچھا! تو یہ بات ہے میں تمھیں نوکری دلوا سکتا ہوں۔" اس شخص نے کہا۔

"واقعی؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں مگر تمھیں مجھے تین لاکھ روپے دینے پڑیں گے۔" اس شخص نے کہا۔

"میرے پاس کوئی پیسے ویسے نہیں ہیں اور اگر ہوتے بھی تو میں تمھیں کبھی بھی نہ دیتا کیونکہ رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ میں مر جاؤں گا لیکن

کبھی رشوت نہیں دوں گا اور نہ ہی کسی سے رشوت لوں گا۔ جاؤ دفع ہو اور دوبارہ کبھی میرے سامنے مت آنا۔" اس نے غصے بھرے انداز میں کہا۔ وہ شخص وہاں سے چلتا بنا اور وہ بھی گھر کی طرف چل دیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو تھوڑی دیر کے بعد اس کا ایک دوست اس سے ملنے آیا اور اسے کمپنی کا پتہ بتایا اور کہا کہ اس کمپنی میں انٹرویو ہو رہے ہیں اور کل آخری تاریخ ہے۔ تم اس کمپنی میں ایک بار کوشش کرو تمھیں ضرور نوکری مل جائے گی۔

اگلے دن وہ تیار ہو کر اس کمپنی کی طرف انٹرویو دینے کے لئے چل پڑا۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھا کہ اس کے پاس سے ایک گاڑی گزری کچھ ہی دوری پر وہ گاڑی ایک ٹرک کے ساتھ ٹکرائی اور اچھل کر زمین پر گر پڑی۔ وہ شخص جو گاڑی میں تھا بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اس گاڑی کی طرف گیا اور جلدی سے ایمبولینس کو کال ملائی اور اسے ہسپتال لے کر گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس شخص کا معائنہ کرنے کے بعد اویس سے کہا کہ اس مریض کی حالت بہت خراب ہے۔ اس شخص کا خون بہت زیادہ بہہ چکا ہے۔ اگر اس شخص کو فوری طور پر خون نا دیا گیا تو یہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اسے خون کا گروپ بتایا۔ اتفاق سے اویس کا بلڈ گروپ بھی اس شخص جیسا تھا جو زندگی اور موت کے درمیان لیٹا ہوا تھا۔ اس نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ میرا اور اس کا خون ایک جیسا ہے اس لیے آپ مجھ سے خون لے سکتے ہیں۔

خون نکالنے کے لئے اسے ایک پلنگ پر لٹا دیا گیا۔ کچھ دیر کے بعد خون اویس سے نکال کر اس شخص کو دے دیا گیا۔ وہ سارا دن اس شخص کے پاس بیٹھا رہا۔ شام کے وقت اس شخص کی آنکھیں کھلیں اور حالت کچھ بہتر ہوئی تو اس نے اپنے گھر والوں کا نمبر اویس کو دیا تاکہ وہ اس کے گھر والوں کو اس حادثے کے بارے میں بتا سکے۔ انھوں نے اویس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

آدھے گھنٹے کے بعد اس کے گھر والے وہاں پہنچ گئے اور اس کا حال احوال معلوم کرنے کے بعد انھوں نے اویس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں پریشان بیٹھا ہوا تھا۔

"بیٹا! تم پریشان کیوں ہو؟" انھوں نے اویس سے پوچھا۔

"جناب! ایک کمپنی میں انٹرویو کے لیے جا رہا تھا اور آخری تاریخ بھی تھی مگر آپ کو یہاں لانے کے چکر میں میں اُدھر نہیں جا سکا۔" اس نے کہا۔

"کون سی کمپنی کی طرف جا رہے تھے؟" انھوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

اویس نے کمپنی کا نام بتایا جس کمپنی میں وہ انٹرویو کے لیے جا رہا تھا۔

"دراصل جس کمپنی میں تم انٹرویو کے لیے جا رہے تھے میں اس کمپنی کا مالک ہوں۔" انھوں نے کہا۔ اویس نے ان کی طرف چونک کر دیکھا۔

"تمھاری نوکری پکی۔ کل سے تم کام پر آسکتے ہو۔" انھوں نے کہا۔

اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

"شکریہ جناب!" اس نے کہا۔

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ تم نے جو میری جان بچا کر مجھ پر احسان کیا ہے وہ میں ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔" انھوں نے کہا۔

وہ انھیں سلام کرنے کے بعد ہسپتال سے باہر آ گیا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں کہا۔

"اے رب! تیرا شکر ہے۔"

غور کیجیے

اولاد بن کر جلنا کڑھنا، منہ بنانا، خفا ہونا، ہر نئی چیز پر دل آجانا، بچت کی تھیوری کو نہ سمجھنا اور کسی خواہش کے پورا نہ ہونے پر ماں باپ سے اپنے غصے کا اظہار کرنا، اپنی ناراضگی میں اُن کو جلانے کے لیے ان کے دل کو توڑنے والے سارے کام کرنا، ان کے آنسو دیکھ کر ایک رسمی سوری کر لینا، اور کبھی ان آنسوؤں کو خاطر میں نہ لانا۔۔ یہ سب اولاد بن کے کرنا کتنا آسان ہے لیکن اس کا احساس والدین بن کر ہوتا ہے کہ یہ سب جو ہم کر جاتے ہیں وہ اپنی اولاد کی طرف سے ایک خفگی کی نظر بھی کتنی مشکل ہے۔ یہ قربانی کہ آپ اپنی ضرورتیں بھول کر اپنے بچوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشات کو پورا کریں دل کو کتنی تسکین دیتی ہے حالانکہ وہ قربانی کبھی کبھی آپ کے بچے اُس انداز میں نہیں سمجھ پاتے۔ اسی لیے اس دعا کا حقیقی مطلب بھی ماں باپ کی ذمہ داری پر فائز ہو کر ہی سمجھ آتا ہے۔

ربِّ الرحمهما کما ربّینی صغیرا

اے رب ان پر رحم فرما کہ جیسے انہوں نے بچپن میں ہم پر رحم کیا۔



محمد مقصود احمد شہیدؒ

غازی علم الدین شہیدؒ سے غازی عامر چیمہ شہیدؒ تک



قسط 8

میاں محمد حوالدار کی یہ سرد مہری دیکھ کر سیدھے اپنی بیرک میں پہنچے۔ اب وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے نمازِ عشاء ادا کی اور پھر سجدے میں جا کر گڑ گڑاتے ہوئے دعا کی:

”میرے اللہ! میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ تیرے محبوب ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کا کام تمام کر دوں...... یا اللہ!...... مجھے حوصلہ عطاء فرما...... ثابت قدم رکھ...... مجھے بھی اپنے محبوب کے عاشقوں میں شامل کر لے...... میری قربانی منظور فرما لے......“

نماز سے فارغ ہو کر میاں محمد گارڈ روم گئے...... اپنی رائفل نکالی...... میگزین لوڈ کیا اور باہر نکلتے ہی چرن داس کو للکار کر کہا:

”کم بخت اب بتا...... نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے پر میں باز پرس کا حق رکھتا ہوں یا نہیں......؟“

یہ سن کر شاتمِ رسول چرن داس نے بھی، جو بندوق اٹھائے ڈیوٹی دے رہا تھا، پوزیشن سنبھال لی اور رائفل کا رخ میاں محمد کی طرف موڑا، لیکن ...... اگلے ہی لمحے ناموسِ رسالت کے شیدائی کی گولی چرن داس کو ڈھیر کر چکی تھی۔ رائفل کی دس گولیاں اس کے جسم سے پار کرنے کے بعد غازی میاں محمد نے سنگین کی نوک سے اس کے منہ پر پے در پے وار کیے۔ سنگین سے وار کرتے ہوئے آپ کہتے جاتے تھے:

”اس ناپاک منہ سے تو نے...... میرے پیارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی......!“

جب غازی کو مردود چرن داس کے جہنم

واصل ہونے کا یقین ہوگیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے خطرے کی گھنٹی بجائی اور بگلر سے کہا کہ وہ مسلسل بگل بجائے۔ جب سب پلٹن جمع ہوگئی تو غازی نے کمانڈنگ افسر سے کہا کہ کسی مسلمان افسر کو بھجواؤ تاکہ میں رائفل پھینک کر خود کو گرفتاری کیلئے پیش کر دوں۔ چنانچہ آپ کی گرفتاری کیلئے آپ ہی کے علاقے کے ایک مسلمان جمعدار عباس خان کو بھیجا گیا۔

گرفتاری کے بعد غازی صاحب کو پوری پلٹن کے سامنے بُلا کر انگریز کمانڈنگ افسر نے پوچھا:

''تم نے ایسا کیوں کیا؟''

غازی میاں محمد نے جواب دیا:

''چرن داس نے ہمارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی اور بدکلامی کی تھی...... میں نے اسے روکا...... وہ باز نہ آیا...... چنانچہ میں نے اسے ہلاک کر دیا...... اب آپ کا جیسے جی چاہے...... قانونی تقاضے پورے کریں۔''

اس پر خود کمانڈنگ افسر نے تاکید کی:

''میاں ذرا سوچ کر بات کرو...... ہوش میں آؤ...... تمہارے ابتدائی بیان قلم بند ہو رہے ہیں...... ان میں ردوبدل ممکن نہ ہو سکے گا۔''

غازی صاحب نے فرمایا:

''میں بالکل ہوش میں ہوں...... جو کچھ میں نے کیا ہے، سوچ سمجھ کر کیا ہے...... میرا ایک ایک حرف صداقت پر مبنی ہے...... میں نے حوالدار سے بھی اس کے گستاخانہ رویے کی شکایت کی تھی، لیکن کوئی مثبت جواب نہ ملا...... اس کے بعد میرے سامنے صرف دو راستے تھے...... ایک یہ کی دولت ایمان سے محروم ہو کر بے غیرت اور بزدلی کی زندگی قبول کر لوں، نہیں تو اس سے انتقام لوں...... میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ مجھے اپنی کامیابی پر بے انتہا خوشی ہے...... اگر رسول پاک ﷺ راضی ہو جائیں اور تمام دنیا بگڑ بیٹھے...... مجھے کوئی غم نہیں...... مجھے اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا نہیں...... مجھے اپنے مقدر پر ناز ہے۔''

کمانڈنگ افسر غازی کے بیان پر مطمئن نہیں تھا۔ اس کم عقل کا خیال تھا کہ شاید نشے کی حالت میں ایسا کیا گیا ہے۔ چنانچہ غازی کو ڈاکٹری معائنے کیلئے بھیج دیا گیا۔ ڈاکٹر کرنل نور احمد صاحب تھے۔ انہوں نے اسلامی جذبہ اخوت کی بناء پر کہا کہ آپ سوچ سمجھ کر بیان دیں۔ سابقہ بیان تبدیل ہو سکتا ہے۔ مگر یہ بیان جو آپ دیں گے...... فیصلہ کن ہوگا۔

غازی صاحب نے فرمایا:

''ڈاکٹر صاحب!...... آپ کا خیال ہوگا کہ اگر میں بیان تبدیل کر لوں تو شاید میری جان بچ جائے گی...... لیکن میں ایسا نہیں کرنا چاہتا...... یہ تو ایک جان ہے...... اگر ہزار جانیں بھی ہوتیں تو میں اپنے رسول پاک ﷺ اور ان

کے غلاموں کی عزت پر قربان کر دیتا۔"

۱۷ مئی ۱۹۳۷ء کو غازی میاں محمد کو مقدمے کی تفتیش کیلئے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ ابھی آپ دس دن پولیس کی حراست میں رہے تھے کہ کمانڈر انچیف (جی ایچ کیو دہلی) کا حکم آیا کہ میاں محمد پر فوجی قانون کے تحت مقدمہ چلایا جائے۔ غالباً حکام کو خدشہ تھا کہ شاید سول عدالت میں مقدمہ کا فیصلہ حکومت کی منشاء کے خلاف ہو۔

فوجی حکام کی خواہش تھی کہ مقدمے کے فیصلے تک غازی صاحب کے والدین کو کوئی اطلاع نہ دی جائے، لیکن صوبیدار ملک غلام محمد کو کسی طرح فوجی حکام کی اس سازش کی اطلاع ہوگئی اور وہ فوراً مدراس پہنچ گئے۔ عدالتی چارہ جوئی اور مقدمے کی پیچیدگیوں سے نبٹنے کیلئے مدراس کے معروف مسلمان ایڈووکیٹ سید نور حسین شاہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ نور حسین شاہ نے قانون کا امتحان لندن سے پاس کیا تھا اور ایک عرصہ تک وہیں مشق بھی کی تھی۔ انہوں نے بڑی دیانتداری اور فرض شناسی سے اس عظیم کام کا آغاز کیا، لیکن مقدمہ ابھی ابتدائی مراحل میں تھا کہ کسی سنگ دل نے محافظ کی موجودگی میں وکیل موصوف کو چھرا گھونپ دیا۔ زخم کاری اور مہلک تھا۔ جس سے وہ رحلت کر گئے۔

ان کے بعد یہ مقدمہ اصغر علی ایڈووکیٹ نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ یہ بھی لندن کے تعلیم یافتہ تھے۔ انہوں نے بھی بڑی جانفشانی اور لگن کے ساتھ مقدمہ کی تیاری میں حصہ لیا اور معاوضہ میں کبھی کسی رقم کا مطالبہ نہ کیا۔

جرح کے دوران انہوں نے یہ متفقہ موقف اختیار کیا کہ غازی محمد نے جو کچھ کیا ہے، ہماری رائے میں وقوعہ کے وقت وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکا۔ لیکن غازی صاحب اپنے ابتدائی بیان پر ڈٹے رہے اور کہا:

"میں نے جو کچھ کیا ہے خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے یہی میرا فرض تھا۔ کیونکہ چرن داس نے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی۔"

کورٹ مارشل کے دوران ان کے وکیل نے رائے دی کہ وہ یہ بیان دیں کہ میں نے گولی اپنی جان بچانے کی غرض سے چلائی تھی، کیونکہ چرن داس بھی مجھے پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن غازی نے سختی کے ساتھ اس تجویز کو مسترد کر دیا اور فرمایا:

"میری ایک جان تو کیا؟ ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں، تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر نچھاور کر دوں"

۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو پلٹن میں غازی میاں محمد کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا، جس کا جواب غازی نے مسکرا کر دیا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ کو وائسرائے ہند کے پاس اپیل کی گئی جو مسترد ہوگئی۔ پھر پریوی کونسل لندن میں اپیل دائر کی گئی جو مختصر سماعت کے بعد رد کر دی گئی۔ اپیلیں مسترد ہو جانے کے بعد فوجی حکام نے ۱۲ اپریل ۱۹۳۸ کو سزا پر عمل

درآمد کا فیصلہ کیا۔

قید کے دوران غازی کا معمول تھا کہ نماز کے علاوہ ہمہ وقت قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے ۔اس دوران رمضان شریف کا مہینہ آیا، جو انہوں نے جاگ کر گزارا۔وہ رات دن نوافل اور درود شریف پڑھتے۔

عید کے روز غازی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ عید کی نماز عید گاہ میں مسلمانوں کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں۔ بڑی رد و قدح کے بعد جیل کے چند غیرت مند مسلمان فوجی افسروں کی ضمانت پر حکام نے اس کی اجازت دی۔

غازی کی سزائے موت کی خبر اب تک پورے ہندوستان میں مشہور ہو چکی تھی۔حکام نے بہت کوشش کی کہ نماز عید کے موقع پر مسلمانوں کو غازی کی آمد کا علم نہ ہو، لیکن عید گاہ میں موجود نمازیوں کو اس کا علم ہو ہی گیا۔

نقص امن کا خطرہ پیدا ہونے لگا تو موصوف کھڑے ہو گئے اور مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"پیارے بھائیو! اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو۔آپس میں بھائیوں کی طرح اور پر امن رہو۔ میں پیارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنی غلام ہوں۔مجھ میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ میرے ہاتھوں سے شاتم رسول کا خاتمہ ہوا۔ آقائے دو جہاں کی شان اقدس میں ذرا سی توہین بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔آئندہ بھی کسی گستاخ نے یہ حرکت کی تو ناموس رسالت پر فدا ہونے کیلئے ہزاروں جان مقتل کی طرف بڑھیں گے۔تمام بھائی دعا کریں کہ اللہ کریم راضی ہو،اور بارگاہ رسالت مآب میں مجھ ناچیز کی جان جیسی یہ حقیر قربانی قبول ہو جائے۔

بندہ کی عیال (بیوی) کو واضح ہو کہ میں آپ سے نہایت خوش اور راضی ہوں۔تم نے کبھی کوئی ایسی غلطی نہیں کی،جس کے لئے تمہیں معافی کا خواستگار ہونا پڑے۔ میری شہادت پر بجائے رونے دھونے کے اپنے رب کو یاد کرنا نماز پڑھنا،اپنے رب کی بندگی کرنا اور میرے لئے بخشش کی دعا کرنا"

پھانسی کے انتظامات کا جائزہ لینے کیلئے بلوچ رجمنٹ کا ایک افسر کراچی سے مدراس پہنچا۔اس نے غازی صاحب سے پوچھا،کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ فرمایا:

"ساقیٔ کوثر کے ہاتھوں سے جام پی کر سیراب ہونا چاہتا ہوں"

غازی صاحب کا نگران دستہ چھ سپاہیوں،ایک انگریز افسر پر مشتمل تھا۔جن لوگوں نے آخری وقت آپ کی زیارت کی،ان کا کہنا ہے کہ چہرے پر سرور کی تازگی اور آنکھوں کی چمک کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ والدین سے آخری ملاقات میں ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔اس موقع پر بہادر کی والدہ اپنے جوان سال بیٹے کا دیوانہ وار سر چومتی کبھی چہرہ، والد محترم نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔

اسی رات 11 اپریل کو انہیں مدراس سول جیل لے جایا گیا۔ رات بھر آپ عبادت میں مشغول رہے۔ نماز تہجد کے بعد سفید لباس زیب تن کیا۔ نماز فجر ادا کی۔

شہادت سے چار روز قبل ۷ اپریل ۱۹۳۸ کو غازی میاں محمد نے اپنے حقیقی بھائی ملک نور محمد کو ایک خط لکھا۔ اس میں بعض نصیحتیں بھی لکھیں۔ آپ نے لکھا:

خداوند کریم کی رضا پر راضی رہنا۔ ہر حال میں صبر کرنا۔ کسی پر تمہارا غم ظاہر نہ ہو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا دل اس قدر خوش ہے کہ جس کا اندازہ کوئی دوسرا آدمی نہیں کر سکتا، میری دلی آرزو تھی جو اللہ کریم نے پوری کر دی۔ میں گناہوں کے سمندر میں غرق تھا کہ میرے مالک نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے۔

اس مالک کی مہربانی کا ہزار ہزار شکریہ

پھر آپ کو تختہ دار کی طرف لے جایا گیا۔ تختہ دار پر کھڑے ہوتے ہی آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا پھر مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے فرمایا:

”سرکار میں دربار میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔“

پھانسی کا پھندہ آپ کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ تختہ دار کھینچ دیا گیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کے چہرے پر برستا ہوا نور کچھ اور فزوں ہو گیا فضا کی عطر بیزی کچھ اور بڑھ گئی اور غازی رب العزت کو جان آفریں دے چلا... کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے معائنہ کر کے کہا:

”بے قرار روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔“

اگلے ہی لمحے ساقی کوثر کا دیوانہ حوض کوثر کے کنارے اپنی پیاس بجھا رہا تھا۔ فساد امن کے خطرے کے پیش نظر غازی صاحب کی نعش وطن لانے کی اجازت نہ دی گئی۔

آخر انہیں مدراس (بھارت) سنٹرل ریلوے سٹیشن سے تین میل دور ایک بڑے قبرستان میں معروف ولی اللہ حضرت پیر سادی کے مقبرہ اور مسجد کے درمیان مقبرہ کی بائیں جانب سپرد خاک کر دیا گیا۔

شہادت کے وقت کھلتی ہوئی سفید رنگت والے اس خوبصورت جوان غازی میاں محمد شہید کی عمر صرف تئیس (۲۳) برس تھی۔

کوپن برائے ”وہ کون تھا؟“

نام:.....................................

ولدیت:.....................................

مکمل ایڈریس:.....................................

تعلیم:.....................................

جواب:.....................................

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)



صلہ رحمی

عبدالمجید شاکر

دونوجوان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی محفل میں داخل ہوتے ہی محفل میں بیٹھے ایک شخص کے سامنے جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کی طرف انگلی کر کے کہتے ہیں۔

''یا عمرؓ! یہ ہے وہ شخص''

سیدنا عمرؓ ان سے پوچھتے ہیں۔

''کیا کیا ہے اس شخص نے؟''

''یا امیر المؤمنین! اس نے ہمارے باپ کو قتل کیا ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو، اس نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے؟'' سیدنا عمرؓ پوچھتے ہیں۔

سیدنا عمرؓ اس شخص سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں۔

''کیا تو نے ان کے باپ کو قتل کیا ہے؟''

''ہاں امیر المؤمنین! مجھ سے قتل ہو گیا ہے ان کا باپ۔''

وہ شخص کہتا ہے

''کس طرح قتل کیا ہے؟'' سیدنا عمرؓ پوچھتے ہیں۔

''یا عمرؓ! ان کا باپ اپنے اونٹ سمیت میرے کھیت میں داخل ہو گیا تھا، میں نے منع کیا، باز نہیں آیا تو میں نے ایک پتھر دے مارا۔ جو سیدھا اس کے سر میں لگا اور وہ موقع پر مر گیا۔''

''پھر تو قصاص دینا پڑے گا، موت ہے اس کی سزا۔'' سیدنا عمرؓ کہتے ہیں۔

نہ فیصلہ لکھنے کی ضرورت، اور فیصلہ بھی ایسا اٹل کہ جس پر کسی بحث و مباحثے کی بھی گنجائش نہیں، نہ ہی اس شخص سے اس کے کنبے کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا ہے، نہ ہی یہ پوچھا گیا ہے

کہ تعلق کسقدر شریف خاندان سے ہے، نہ ہی یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے کی تعلق کسی معزز قبیلے سے تو نہیں، معاشرے میں کیا رتبہ یا مقام ہے؟ ان سب باتوں سے بھلا سیدنا عمرؓ کو مطلب ہی کیا ہے؟ کیوں کہ معاملہ اللہ کے دین کا ہو تو عمرؓ پر کوئی اثر انداز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی اللہ کی شریعت کی تنفیذ کے معاملے پر عمرؓ کو روک سکتا ہے۔

حتیٰ کہ سامنے عمرؓ کا اپنا بیٹا ہی کیوں نہ قاتل کی حیثیت سے آ کھڑا ہو، قصاص تو اس سے بھی لیا جائے گا۔

وہ شخص کہتا ہے۔

''اے امیر المؤمنین! اس کے نام پر جس کے حکم سے یہ زمین و آسمان قائم کھڑے ہیں مجھے صحراء میں واپس اپنی بیوی بچوں کے پاس جانے دیجیئے تا کہ میں ان کو بتا آؤں کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ ان کا اللہ اور میرے سوا کوئی آسرا نہیں ہے، میں اس کے بعد واپس آجاؤں گا۔''

سیدنا عمرؓ کہتے ہیں:

''کون تیری ضمانت دے گا کہ تو صحراء میں جا کر واپس بھی آجائے گا؟''

مجمع پر ایک خاموشی چھا جاتی ہے۔ کوئی بھی تو ایسا نہیں ہے جو اس کا نام تک بھی جانتا ہو۔ اس کے قبیلے، گھر وغیرہ کے بارے میں جاننے کا معاملہ تو بعد کی بات ہے۔

''کون ضمانت دے اس کی؟ کیا یہ دس درہم کے ادھار یا زمین کے ٹکڑے یا کسی اونٹ کے سودے کی ضمانت کا معاملہ ہے؟ ادھر تو ایک گردن کی ضمانت دینے کی بات ہے جسے تلوار سے اڑا دیا جانا ہے۔

اور کوئی ایسا بھی تو نہیں ہے جو اللہ کی شریعت کی تنفیذ کے معاملے پر عمرؓ سے اعتراض کرے، یا پھر اس شخص کی سفارش کیلئے ہی کھڑا ہو جائے اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا جو سفارشی بننے کی سوچ سکے۔

محفل میں موجود صحابہ پر ایک خاموشی سی چھا گئی ہے، اس صورتحال سے خود عمرؓ بھی متاثر ہیں۔ کیوں کہ اس شخص کی حالت نے سب کو ہی حیرت میں ڈال کر رکھ دیا ہے۔ کیا اس شخص کو واقعی قصاص کے طور پر قتل کر دیا جائے اور اس کے بچے بھوکوں مرنے کیلئے چھوڑ دیئے جائیں؟ یا پھر اس کو بغیر ضمانتی کے واپس جانے دیا جائے؟ واپس نہ آیا تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا۔

خود سیدنا عمرؓ سر جھکائے افسردہ بیٹھے ہیں ہیں اس صورتحال پر، سر اُٹھا کر التجا بھری نظروں سے نوجوانوں کی طرف دیکھتے ہیں۔

''معاف کر دو اس شخص کو''

''نہیں امیر المؤمنین! جو ہمارے باپ کو قتل کرے اس کو چھوڑ دیں، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا''، نوجوان اپنا آخری فیصلہ بغیر کسی جھجک کے سنا دیتے ہیں۔

عمرؓ ایک بار پھر مجمع کی طرف دیکھ کر بلند آواز

سے پوچھتے ہیں۔

''اے لوگو! ہے کوئی تم میں سے جو اس کی ضمانت دے؟''

ابو ذر غفاریؓ اپنے زہد و صدق سے بھرپور بڑھاپے کے ساتھ کھڑے ہو کر کہتے ہیں۔

''میں ضمانت دیتا ہوں اس شخص کی''

سیدنا عمرؓ کہتے ہیں۔

''ابو ذر! اس نے قتل کیا ہے۔''

''چاہے قتل ہی کیوں نہ کیا ہو'' ابو ذرؓ اپنا اٹل فیصلہ سناتے ہیں۔

عمرؓ: جانتے ہو اسے؟

ابو ذرؓ: نہیں جانتا اسے۔

عمرؓ: تو پھر کس طرح ضمانت دے رہے ہو؟

ابو ذرؓ: میں نے اس کے چہرے پر مومنوں کی صفات دیکھی ہیں، اور مجھے ایسا لگتا ہے یہ جھوٹ نہیں بول رہا، انشاء اللہ یہ لوٹ کر واپس آجائے گا۔

عمرؓ: ابو ذر! دیکھ لو اگر یہ تین دن میں لوٹ کر نہ آیا تو مجھے تیری جدائی کا صدمہ دیکھنا پڑے گا۔

''امیر المؤمنین، پھر اللہ مالک ہے۔'' ابو ذر اپنے فیصلے پر ڈٹے ہوئے جواب دیتے ہیں۔

سیدنا عمرؓ سے تین دن کی مہلت پا کر وہ شخص رخصت ہو جاتا ہے، کچھ ضروری تیاریوں کیلئے، بیوی بچوں کو الوداع کہنے، اپنے بعد ان کے لئے کوئی راہ دیکھنے، اور اس کے قصاص کی ادئیگی کیلئے قتل کئے جانے کی غرض سے لوٹ کر واپس آنے کیلئے۔

اور پھر تین راتوں کے بعد، عمرؓ بھلا کیسے اس امر کو بھلا پاتے، انہوں نے تو ایک ایک لمحہ گن کر کاٹا تھا، عصر کے وقت شہر میں (الصلاۃ جامعۃ) کی منادی پھر جاتی ہے، نوجوان اپنے باپ کا قصاص لینے کیلئے بے چین اور لوگوں کا مجمع اللہ کی شریعت کی تنفیذ دیکھنے کے لئے جمع ہو چکا ہے۔

ابو ذرؓ بھی تشریف لاتے ہیں اور آ کر عمرؓ کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔

''کدھر ہے وہ آدمی؟''

سیدنا عمرؓ سوال کرتے ہیں۔

''مجھے کوئی پتہ نہیں ہے یا امیر المؤمنین!''

ابو ذرؓ مختصر جواب دیتے ہیں۔

ابو ذرؓ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں جدھر سورج ڈوبنے کی جلدی میں معمول سے سے زیادہ تیزی کے ساتھ جاتا دکھائی دے رہا ہے۔

محفل میں ہو کا عالم ہے، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ آج کیا ہونے جا رہا ہے؟

یہ سچ ہے کہ ابو ذرؓ سیدنا عمرؓ کے دل میں بستے ہیں، عمرؓ سے ان کے جسم کا ٹکڑا مانگیں تو عمرؓ دیر نہ کریں۔ کاٹ کر ابو ذرؓ کے حوالے کر دیں، لیکن ادھر معاملہ شریعت کا ہے، اللہ کے احکامات کی بجا آوری کا ہے، کوئی کھیل تماشہ نہیں ہونے جا رہا، نہ ہی کسی کی حیثیت یا صلاحیت کی پیمائش ہو رہی ہے، حالات و واقعات کے مطابق نہیں اور نہ ہی زمان و مکان کو بیچ میں لایا جانا ہے۔ قاتل نہیں آتا

تو ضامن کی گردن جاتی نظر آرہی ہے۔

مغرب سے چند لحظات پہلے وہ شخص آجاتا ہے، بے ساختہ حضرت عمرؓ کے منہ سے اللہ اکبر کی صدا نکلتی ہے، ساتھ ہی مجمع بھی اللہ اکبر کا ایک بھرپور نعرہ لگاتا ہے۔

عمرؓ اس شخص سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

''اے شخص! اگر تو لوٹ کر نہ بھی آتا تو ہم نے تیرا کیا کر لینا تھا، نہ ہی تو کوئی تیرا گھر جانتا تھا اور نہ ہی کوئی تیرا پتہ جانتا تھا''

''امیر المؤمنین! اللہ کی قسم! بات آپکی نہیں ہے بات اس ذات کی ہے جو سب ظاہر و پوشیدہ کے بارے میں جانتا ہے، دیکھ لیجیئے! میں آ گیا ہوں، اپنے بچوں کو پرندوں کے چوزوں کی طرح صحراء میں تنہا چھوڑ کر، جدھر نہ درخت کا سایہ ہے اور نہ ہی پانی کا نام ونشان۔ میں قتل کر دیئے جانے کیلئے حاضر ہوں۔ مجھے بس یہ ڈر تھا کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ اب لوگوں میں سے وعدوں کا ایفاء ہی اُٹھ گیا ہے۔''

سیدنا عمرؓ نے ابوذر کی طرف رخ کر کے پوچھا۔

''ابوذرؓ، تو نے کس بنا پر اسکی ضمانت دے دی تھی؟''

ابوذرؓ نے کہا۔

''اے عمرؓ! مجھے اس بات کا ڈر تھا کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ اب لوگوں سے خیر ہی اٹھالی گئی ہے۔''

سید عمرؓ نے ایک لمحے کیلئے توقف کیا اور پھر ان دونوجوانوں سے پوچھا کہ کیا کہتے ہو اب؟

نوجوانوں نے روتے ہوئے جواب دیا۔

''اے امیر المؤمنین، ہم اس کی صداقت کی وجہ سے اسے معاف کرتے ہیں، ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ اب لوگوں میں سے عفو اور درگزر ہی اُٹھالیا گیا ہے۔''

سیدنا عمرؓ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور آنسو ان کی ڈاڑھی کو تر کرتے نیچے گر رہے تھے۔

☆......☆......☆

اے نوجوانو! تمہاری عفوو درگزر پر اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔

اے ابوذرؓ! اللہ تجھے اس شخص کی مصیبت میں مدد پر جزائے خیر دے۔

اور اے شخص! اللہ تجھے اس وفائے عہد و صداقت پر جزائے خیر دے۔

اور اے امیر المؤمنین، اللہ تجھے تیرے عدل و رحمدلی پر جزائے خیر دے۔

عمدہ گھوڑا

حضرت ابوقتادہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کالا گھوڑا جس کی پیشانی، ہاتھ، پیر، ناک اور اوپر کا ہونٹ سفید ہوں اور دایاں ہاتھ باقی جسم کی طرح ہو، سب سے عمدہ ہے، اگر وہ کالا نہ ہو تو انہی صفات والا سرخ سیاہی مائل گھوڑا عمدہ ہے۔

عائشہ بنت عبدالرؤف

بقیہ: آسمانی گھوڑا

"میرا خیال ہے کہ گھوڑا آ گیا ہے۔" ٹینوں نے کچھ دیر اپنی سانس روکنے کے بعد کہا۔ وہ چوکنا ہو گئے۔ گھوڑا کھیت میں اتر چکا تھا۔

"کل بھی یہ اسی کونے میں ہی ٹھہرا ہوا تھا" دینوں نے اسے دیکھ کر کہا۔ انھوں نے جا کر گھوڑے کو وہاں سے بھگا دیا اور آرام کرنے کے لیے واپس آ گئے۔

☆......☆......☆

"اب اس بات کا تو یقین ہو چکا ہے کہ ہماری فصل اسی گھوڑے نے ہی اجاڑی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں گھوڑے کے مالک تک پہنچنا چاہیے تاکہ ہم اپنے نقصان کا ازالہ کر سکیں" ٹینوں نے مشورہ دیا۔

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے کہ ہم بوریاں وغیرہ ساتھ لے کر اُس کونے میں آرام سے لیٹ جائیں گے۔ جب گھوڑا آئے گا تو ہم اُس کی ٹانگ پکڑ کر اُس کے ساتھ لٹک جائیں گے۔ یوں ہم اُس کے مالک تک پہنچ کر اس سے سارا حساب برابر کریں گے۔" پھینوں نے ایک بہترین تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ٹانگ تو ایک پکڑے گا اور باقی کدھر جائیں گے؟" مینوں نے جاننا چاہا۔

"ہم ایسا کریں گے کہ سب سے آگے میں لیٹ جاؤں گا۔ میری ٹانگیں ٹینوں پکڑے گا۔ ٹینوں کی ٹانگیں دینوں اور دینوں کی ٹانگیں مینوں پکڑے گا۔ میں جوں ہی گھوڑے کی ٹانگ پکڑوں گا تو وہ اڑے گا اور ہم ترتیب کے ساتھ لٹکے اس کے ساتھ چلے جائیں گے۔" پھینوں نے اپنا پورا منصوبہ ان کے سامنے رکھ دیا۔

☆......☆......☆

وہ کھیت کے کونے میں لیٹے گھوڑے کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ گھوڑا رات کے تقریباً تین بجے آیا اور اسی کونے میں ٹھہر کر اپنی کارروائی شروع کر دی۔ ترتیب میں لیٹے چاروں بونے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ پھینوں نے جھپٹ کر گھوڑے کی ٹانگ اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑی تو وہ ڈر کے مارے جلدی سے اُڑا اور چاروں بونے بھی اُس کے ساتھ ہوا میں سفر کرنے لگے۔

"یہ ہوئی نا بات! اب ہم سارے حساب برابر کریں گے۔" ٹینوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس نے ہماری ساری فصل اجاڑ دی۔ ہم

اس کے مالک سے ایک ایک پائی کا حساب وصول کریں گے۔" مینوں نے خوشی کے ملے جُلے انداز میں کہا۔

☆......☆......☆

گھوڑا اپنی پوری طاقت سے پرواز کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر کون سی آفت میرے گلے پڑگئی ہے۔ اس نے اپنا پاؤں بھی چند ایک مرتبہ جھٹکا، مگر پھینوں کی گرفت مضبوط تھی۔

"پھینوں! گھوڑے کے مالک کا ٹوپہ کتنا بڑا ہوگا جس سے ہم اپنی بوریاں بھرتی کریں گے؟" سب سے نیچے لٹکے مینوں نے بلند آواز سے پوچھا۔

"گھوڑے کے مالک کا ٹوپہ اتنا بڑا ہوگا" پھینوں نے فرطِ جذبات میں آکر سائز بتانے کے لیے جوں ہی ہاتھ پھیلائے تو چاروں ہوا میں ہچکولے کھاتے ہوئے دھڑام سے نیچے آگرے۔

☆......☆......☆

ملکہ، ماجو اور باقی بونے زور دار چیخوں کی آواز سن کر جاگ اٹھے تھے۔ وہ باہر نکلے تو چاروں بونے خون میں لت پت دم توڑ چکے تھے۔

پھینوں نے سائز بتانے کے لیے گھوڑے کی ٹانگ سے اپنا ہاتھ اُس وقت چھوڑا تھا جب وہ عین پرستان کے اوپر ہزاروں فٹ کی بلندی پر سفر کر رہے تھے۔

"بے وقوف کہیں کے! محنت کرنے سے عاری، کام چور، اگر عزت سے رہتے تو پرستان سے اچھی جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ جاؤ! سب آرام سے سو جاؤ۔ صبح ہوگی تو ان کا بندوبست کر دینا" ملکہ نے چاروں کی حالت پر غور کرنے کے بعد افسوس کرتے ہوئے ماجو اور باقی بونوں کو مخاطب کر کے کہا اور اپنی آرام گاہ کی جانب لوٹ گئی۔

☆......☆......☆

جہاد کا علم

حارث بن حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر کھڑے دیکھا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے، پھر اچانک ایک کالا بڑا جھنڈا دکھائی دیا، میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں جو ایک غزوہ سے واپس آئے ہیں۔

حذیفہ بن مسعود



ختم نبوت

فاکہہ قمر

’’ابو!! ابو!!‘‘

’’ارے! ارے! کیا ہو گیا؟‘‘

’’کیوں چلا رہے ہو؟‘‘

’’امی! ابو کہاں ہیں؟‘‘

’’بیٹا! وہ تو لائبریری میں ہیں۔ مطالعہ میں مشغول ہیں۔‘‘

’’اوہ! اچھا۔ میں پھر ادھر ہی چلا جاتا ہوں۔‘‘

’’بیٹا! سب خیریت ہے نا؟‘‘

’’جی! جی! امی! سب خیریت ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔‘‘

۱۳ سالہ عمر ابھی باہر سے واپس گھر لوٹا تھا، آتے ساتھ ہی بے تابی سے ابو کی تلاش میں سارے گھر میں مارا مارا پھر رہا تھا۔

عمر کی بے چینی اس کی امی سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی لیکن عمر سیدھا ابو کے پاس جانے کا متمنی تھا۔

’’ٹھک۔ ٹھک۔‘‘

’’ابو! کیا میں اندر آجاؤں؟‘‘ عمر نے دروازہ کھٹکاتے ہوئے اندر آنے کی اجازت چاہی۔

’’ارے بیٹا! آؤ!‘‘ آہٹ پر ابو نے کتاب سے نظر ہٹا کر عمر کو اجازت دیتے ہوئے کہا۔

’’ابو! کیا آپ مصروف ہیں؟‘‘ عمر نے بات کرنے کی غرض سے پوچھا۔

’’نہیں میرے بچے! کیوں خیر ہے؟‘‘ ابو نے مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے استفسار کیا۔

’’ابو! ابو! وہ اصل میں۔۔۔‘‘ عمر شدید الجھن کا

شکار تھا جس کی وجہ سے اس کے منہ سے الفاظ بھی نہیں نکل رہے تھے۔

''ہاں بیٹا! بولو! کیا بات ہے؟''ابو نے بغور عمر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''وہ اصل میں ابو۔۔۔!''عمر ہنوز الجھن اور ہچکچاہٹ کا شکار ہو رہا تھا لیکن پھر اس نے اللہ کا نام لے کر بات کا آغاز کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''میں باہر گیا تھا امی جان نے کچھ سامان لینے بھیجا تھا، ادھر سے نہیں ملا تو میں آگے چلا گیا تھا۔''عمر سر جھکائے اپنی بات کو جاری رکھے ہوئے تھا۔

''ہاں۔مجھے معلوم ہے۔آپ کی امی نے بتایا تھا۔''ابو جان نے عمر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''وہ ابو! باہر میں نے کچھ دیکھا ہے۔''ڈرتے ڈرتے عمر نے کہا۔

''ہمم۔کیا دیکھا ہے؟''عمر کی بات پر ابو معاملے کی سنجیدگی اور نزاکت کو سمجھ رہے تھے۔

عمر کی بے چینی اور ہچکچاہت کا اندازہ ابو کو ہو گیا تھا۔

''وہ میں نے ایک جگہ''قادیانی ہاؤس''لکھا دیکھا۔''عمر نے لاعلمی میں جو بات کہی اس سے ابو کا ماتھا کھٹک گیا تھا۔

''اوہ اچھا! پھر کیا ہوا تھا؟''ابو جاننا چاہ رہے تھے کہ آخر ایسا کیا ہوا جس نے عمر کے چہرے کی ہوائیاں اڑا دی ہیں۔ابو بھی بے حد سنجیدہ اور الرٹ ہو گئے تھے۔

ابھی میں اس عمارت کو دیکھ رہا تھا کہ دکان دار نے مجھے ٹوک دیا اور کہنے لگا کہ:

''پتر! ان کافر ذلیلوں کو مت دیکھو! یہ دیکھنے کے لائق نہیں ہیں۔''

''ابو! میں ان کی بات پر بہت حیران ہوا لیکن ان سے پوچھ نہ سکا، اب سیدھا آپ کے پاس آیا ہوں۔''عمر شدید پریشان اور الجھن میں تھا۔

''ہمم۔اس نے تمھیں ٹھیک کہا ہے اور یہ تم نے اچھا کیا ہے کہ کسی سے کچھ نہیں کہا۔''ابو نے عمر کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

''اب جلدی سے مجھے بتائیں کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ لوگ ان کے لیے''کافر''کا لفظ کیوں استعمال کر رہے ہیں؟''عمر کو جاننے کی بے چینی ہو رہی تھی۔ابو کی جانب سے حوصلہ ملتے ہی عمر کے سوال زبان پر آگئے اس نے پے در پے سوال کر ڈالے۔

''میرے بچے! سب سے پہلی بات جو غور و فکر کی ہے وہ یہ ہے کہ لفظ''قادیانی''کا مطلب کیا ہے؟''

''جی ابو! مجھے اس کا مطلب بتائیں۔ویسے یہ کچھ عجیب سا لفظ ہے۔''عمر نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''بیٹا! آپ یہ تو جانتے ہی ہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ان کے بعد کوئی نبی تشریف نہیں لائے اور نہ قیامت تک لائیں گے۔''ابو جان نے بات کا آغاز اسلامی شعائر اور تعلیمات کی روشنی میں کرتے ہوئے بتایا۔

''جی ابو! یہ تو مجھے معلوم ہے۔''جھٹ سے عمر

نے سر کو ہلاتے ہوئے کہا۔

"شاباش! آپ ﷺ کی وفات کے بعد قادیان کے رہائشی مرزا غلام احمد نامی شخص نے نبوت کا جھوٹا دعوی کر دیا تھا۔ یہ دعویٰ جس وقت کیا گیا تھا تب مسلمان انگزیروں کے خلاف جہاد میں مشغول تھے۔ ایسے میں ان کافروں نے شیطانی چال چلی اور اپنا غلام خرید کر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا ذریعہ بنایا۔

مرزا کو انگریزوں کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی، اس نے تھوڑے ہی عرصے میں کمزور العقیدہ لوگوں کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا، نہ صرف یہ بلکہ اس بد بخت نے یہاں تک جھوٹا دعوی کر دیا کہ اس پر نعوذ باللہ وحی نازل ہوتی ہے اور ایک "ٹیچی ٹیچی" نامی فرشتہ وحی لے کر نازل ہوتا ہے۔ اس وحی کے الفاظ نہایت بے ہودہ اور شرمناک ہیں۔ جن کا لب لباب یہ ہے:

I Love you

I Miss you

I am with you

I shall help you

God is coming by His army

"اف ابو! نعوذ باللہ توبہ۔ کوئی اس حد تک کیسے گر سکتا ہے؟ یہ تو دوغلے پن کی انتہا ہے۔" عمر نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے توبہ کرتے ہوئے کہا۔

عمر ورطہ حیرت میں غوطہ زن تھا۔ اس کے لیے یہ انکشافات نئے اور حیران کن تھے۔

"میرے بچے! جب اللہ دلوں پر مہر ثبت کر دیتا ہے تو ان کی آنکھیں، کان سب بند ہو جاتے ہیں۔ ان کی حالت چوپاؤں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ وہ صم بکم کی عملی تفسیر بن جاتے ہیں۔ اس سے بڑی بد بختی اور کیا ہو گی بھلا؟" ابو نے عمر کو حقیقت سے واقف کرتے ہوئے کہا۔

"توبہ، استغفر اللہ! کوئی اس حد تک کیسے گر سکتا ہے؟" عمر ابھی تک حیرت کا شکار تھا۔ آخر بات بھی ایسی تھی کہ اس کو بآسانی ہضم کرنا آسان کام نہیں تھا۔

"ابو! پھر کیا ہوا تھا؟" عمر مزید جاننے کا خواہشمند تھا۔

"بیٹا! ہونا کیا تھا؟ اس شیطان کے چیلے نے خود کو نہ صرف نبی آخرالزمان قرار دیا بلکہ مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے لوگوں سے بیعت لے کر ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ جسے قادیانیت یا مرزائیت بھی کہتے ہیں۔" ابو نے افسردگی کے ساتھ یہ سب معلومات عمر کے گوش گزار کرتے ہوئے بتایا۔

عمر ہمہ تن گوش تھا، ابو نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! یہ فتنہ تب وقوع پذیر ہوا تھا اور آج تک جاری و ساری ہے۔ اس دور کے علماء کرام نے قادیانیت کو غیر مسلم قرار دیا اور ان کو ملک کے آئین کی شریعت میں کافر لکھا گیا۔ اس دور میں

بہت سے فتنے فسادوں نے جنم لیا۔انگریزوں نے اپنے ایجنٹ کے ذریعے مسلمانوں میں انتشار برپا کر دیا۔مسلمان مختلف جماعتوں میں بٹ کر رہ گئے تھے۔یوں وہ اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب رہے۔‘‘ابو جان نے رنجیدگی سے ماضی کے اوراق میں جھانکتے ہوئے بتایا۔

’’ابو!اس نے اتنا سب کچھ کیا تو کیا کسی نے اسے جہنم واصل کرنے کی کوشش نہیں کی؟‘‘عمر کا جوان خون جوش مار رہا تھا۔

’’بیٹا!اس کو انگریزوں کا مکمل تعاون حاصل تھا لیکن بیٹا،خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔جو غلط کرتا ہے اسے خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔‘‘ابو نے قانون قدرت اور اس کے اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے اصل بات بتائی۔

’’کیا تمھیں پتا ہے اس بدنصیب کا انجام کیا ہوا تھا؟‘‘

اس آواز پر عمر اور اس کے ابو نے مڑ کر دیکھا تو دروازے میں امی جان کھڑی مسکرا رہی تھی۔

’’نہیں۔امی جان! میں نہیں جانتا، آپ بتائیں!‘‘عمر نے جوش سے جواب دیا۔

’’اس ناہنجار کو بظاہر معمولی سی بیماری ہیضہ اور پیچش لگے تھے۔اس ذلیل کا آخری وقت غسل خانے میں آیا تھا۔اس سے بڑی لعنت کیا ہوگی؟ توبہ استغفر اللہ۔‘‘امی نے اپنے غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

’’یا اللہ! توبہ!‘‘عمر اور اس کے ابو کے منہ سے بے اختیار توبہ استغفر اللہ کے کلمات جاری ہو گئے تھے۔

’’دیکھا بیٹا! آپ نے،جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے یا ان کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، رہتی دنیا تک اللہ اسے عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں۔قرآن و حدیث کی تعلیمات حرف آخر ہیں اور تا قیامت ان میں ردوبدل نہیں ہو سکتی۔ان کی حفاظت کا ذمہ رب تعالیٰ نے اپنے سپرد لیا ہے اور جو ایسا کرے گا اس کا مرزا کی طرح انجام برا ہوگا۔

بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی تشریف نہیں لائے گے۔جو اس عقیدہ کا منکر ہے وہ ہم میں سے نہیں۔

میرے بچے!اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا۔اس پرفتنہ دور میں اس کسوٹی کو تھامے رکھنا اور زندگی بھر اسی کی پیروی کرتے بسر کرنا۔‘‘ابو نے ساری تفصیل بتا کر آخر میں عمر کو نصیحت کرنا بھی ضروری خیال کیا۔

’’ان شاءللہ ابو جان!۔ان شاء اللہ۔‘‘عمر نے عزم کرتے ہوئے کہا اور پھر باآواز بلند نعرہ لگایا۔

’’قادیانی مردہ باد‘‘

’’ختم نبوت زندہ باد‘‘



حواء بنت زبیر

علم کو یاد کرنے کے لیے چند اہم مقدمات

من أراد أن يحفظ العلم.
جوعلم کو یاد کرنا چاہے۔
فعلي أن يلتزم عشر خصا ا
اسے 10 عادات اپنانی چاہیئں

1

الأولى: صلوة الليل ولو ركعتين.
پہلی: رات کے وقت نفل پڑھنا۔۔۔
اگرچہ دو رکعتیں۔

2

الثانيه: دوام الوضوء.
دوسری: وضوکادوام (ھروقت باوضو رھنا)

3

الثالثه: التقوى في السر والعلانية
تیسری: تقوی کرنا پوشیدہ (تنہائی میں) اور اعلانیہ (مجمع میں)

4

الرابعة: أن يأكل للتقوى، لا للشهوات.
چوتھی: کھائے تقویٰ کیلئے۔ (نیت یہ ھوکہ اس کھانے سے جوطاقت ملے گی اس سے نیک کام کروں گا) نہ کہ خواہشات کیلئے۔

5

الخامسة: السواک..
پانچویں: مسواک کرنا (کہ یہ ایسی سنت ھے کہ فرض کردی جاتی لیکن نہ کی گئی)



6

السادسة: المواظبة على مطالعة الكتب......

مسلسل ۔ پابندی سے کتابوں کا مطالعہ کرنا۔

7

السابعة: أدب الأستاذ.

ساتویں: استاذ کا ادب کرنا (سامنے بھی، دل میں بھی، زبان سے بھی ظاہر ہو۔ کیونکہ باادب با نصیب ۔۔۔۔)

8

الثامنة: تلاوة القرآن.

آٹھویں: قران مجید کی تلاوت کرنا (کہ اس سے قوت حافظہ بھی بڑھ جاتی ہے)۔

9

التاسعة: خدمة الأبوين.

نواں: والدین یعنی ماں اور باپ کی خدمت کرنا (کہ ان کی دعا مقبول ہوتی ہے)۔

10

العاشرہ: حسن الأخلاق.

عمدہ یعنی اچھی عادات (صبر۔شکر۔سلوک۔صدق۔رضا) اپنانا۔

(تلک عشرة کاملة)



بہت پیاری دعا

سیدنا أبوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ اپنے سجدوں میں یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ وَ جِلَّهُ وَ أَوَّلَهُ وَ آخِرَهُ

اے اللہ! تو میرے تمام چھوٹے بڑے اور اگلے پچھلے گناہ بخش دے۔

محمد بن جواد



وہ مکہ مکرمہ کے مشہور تاجر تھے۔ چاروں طرف ان کی نیک نامی کا شہرہ تھا۔ وہ سچے اور امانت دار تھے،اسی لیے مکہ کے لوگ خون بہا کے اموال انہی کے پاس جمع کراتے تھے۔ ان کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔

وہ حضور پاک ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے۔ جب ان کی دوستی رسول کریم ﷺ سے ہوئی،تب ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ پھر یہ دوستی ہمیشہ کی رفاقت میں بدل گئی۔ وہ آپ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔

انھیں آپ ﷺ کا راز دار دوست بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے اپنے دیگر دوستوں کو بھی اسلام کی دعوت دی اور ان کی کوششوں سے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

وہ مال دار تاجر اور سخی سردار شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے مال سے اسلام اور مسلمانوں کی بہت مدد کی۔ یہ آپؓ ہی تھے جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بہت سے غلاموں کو خرید کر اللہ کی رضا کے لیے آزاد کیا تھا۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ان پر بھی بہت مظالم ہوئے تھے، حتیٰ کہ ایک بار آپ تنگ آ کر سرزمین مکہ بھی چھوڑ کر جا رہے تھے کہ ایک آدمی نے آپ کو روک لیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے والد بھی ان کے ساتھ نہیں تھے اور وہ اس چیز کو بچگانہ کام سمجھتے تھے۔ ایک بار ان کے والد محترم نے یہاں تک بھی کہہ دیا تھا کہ ان مسلمان نوجوانوں نے میرے لڑکے کو بھی بگاڑ کر رکھ دیا ہے،لیکن پھر ایک دن ایسا بھی آیا جب ان کے والد محترم بھی مسلمان ہو گئے۔

جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو بیت اللہ میں نماز ادا کرنے سے روک دیا تھا تو یہ پہلے

صحابی تھے جنھوں نے اپنے گھر میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی تھی۔

ایک بار کفار مکہ میں سے ایک کافر نے حضور پاک ﷺ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈال کر انھیں ایذا پہنچانا چاہی تو یہ صحابی رسول ﷺ دوڑتے ہوئے آئے اور اس کافر کو دور ہٹایا اور اسے سخت برا بھلا کہا۔

انھوں نے مکہ میں ۱۳ سال گزارنے کے بعد ہجرت کی۔ہجرت مدینہ کے بعد انھیں خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنایا گیا۔یہ صحابی آپ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور خوب بہادری سے لڑے۔

آپ رضی اللہ عنہ نہایت پرہیزگار تھے۔ایک بار ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز لا کر دی۔انھوں نے تناول فرمالی۔اس نے کہا:

''اے آقا! کیا آپ جانتے ہیں،میں نے اسے کیسے حاصل کیا؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''بتاؤ کیسے؟''

اس نے کہا:''یہ چیز مجھے ایک فال کھولنے کے صلے میں ملی ہے۔''

یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے منہ میں انگلی ڈال کر قے کر دی اور فرمایا:

''جو جسم حرام کے کھانے سے پلے گا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

وفات کے وقت ان کی زبان سے یہ الفاظ سنے جارہے تھے:

''توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین''

وہ کون تھے؟؟

وہ کون تھے۔شمارہ رجب کا درست جواب
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

شمارہ رجب ۱۴۴۴ھجری کے انعام یافتہ

طوبیٰ بنت زکی

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

بنت نصیر احمد۔۔۔ہمشیرہ محمد احمد۔۔۔ام مریم جہادی۔۔۔طوبیٰ بنت زکی۔۔۔کاشف فاروق عمار حسین۔۔۔ دانیال حسین۔۔۔کفایت اللہ۔۔۔بنت الہادی۔۔۔محمد عمر۔۔۔عبدالمجید شاکر۔۔۔محمد شعیب۔۔۔محمد حارث۔۔۔محمد عمر بن مفتی عبدالعزیز خدیجہ فاروق۔۔۔آمنہ کلثوم۔۔۔اروای بنت سجاد۔۔۔خدیجہ کوثر۔۔۔بلال محسن۔۔۔ریاض شبیر۔۔۔خالدہ صدیق۔۔۔اریبہ فاروق۔



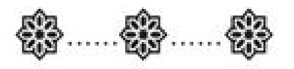
جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

جناب عالی! سردیوں میں آم شریف کھانے کا جی چاہے تو ہم کیا کریں؟

☆ **امرود کا نام آم رکھ کر کھالیں بعد میں نام بدل دیجئے گا۔**

(حفصہ اسلام۔کراچی)

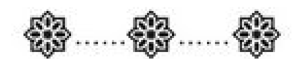


محترم بوجھ بجھکڑ!

آج اپنا اصل نام بتا ہی دیں۔ یا آپ کو سبھی اسی نام سے پکارتے ہیں؟

☆ **مجھے یہ پیغام آج مل گیا ہوتا تو ضرور بتا دیتا اب تو وقت نکل گیا۔**

(قادر بلوچ، منڈی بہاؤالدین)



محترم بوجھ بجھکڑ!

مجھے بچپن سے مریخ پر جانے کا شوق ہے کوئی حل ممکن ہے کہ میں جا کر واپس بھی آسکوں؟

☆ ہندی میں مریخ کو منگل کہا جاتا ہے، منگل کو عربی میں الثلاثاء کہتے ہیں جس کا مطلب ''تیسرا'' آپ کسی تیسری جگہ ہو کر واپس آجائیں سمجھیں مریخ سے ہو آئے ہیں۔

(زین العابدین، بہاولنگر)

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

سنا تھا استاد کا ڈنڈا ہر چیز یاد کروا دیتا ہے۔ لیکن مجھے تو ڈنڈے کھا کر بھی کچھ یاد نہیں ہوتا۔ کیا کروں؟ کوئی آسان سا حل بتائیں!

☆ آپ ڈنڈا کھانے کی بجائے لگوایا کریں، فرق محسوس ہوگا۔

(محمد کاشف، ٹنڈو الہ یار)

محترم بوجھ بجھکر!

میرے ساتھ ایک مسئلہ ہے جب بھی چائے پیتا ہوں۔ اس کی شڑاپ شڑاپ کی آوازیں بہت نکلتی ہیں۔ کئی بار ڈانٹ کھا چکا ہوں۔ آخر کروں تو کیا کروں کہ میری یہ آواز بند ہو جائے۔

☆ کپ پر سائلنسر لگوا لیں یا سٹرا سے پی لیا کریں۔

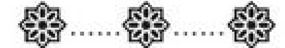
(محمد عابد، کراچی)

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

بن بلائے مہمان وبال جان سے کیا مراد ہے؟

☆ اس سے مراد تنگ دل اور کنجوس میزبان ہے۔

(ہمشیرہ محمد احمد، سکھر)



محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

اس کمر توڑ مہنگائی نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے جبکہ دوسری طرف ہماری اشرافیہ کے اللے تللے ختم نہیں ہوتے۔ آپ کے خیال میں مہنگائی کی سب سے اہم وجہ کیا ہے؟

☆ آپ اپنی اشرافیہ کو سمجھائیں کہ وہ ایسے نہ کرے اور بھی جس جس کی اشرافیہ ہو وہ ضرور سمجھائیں۔

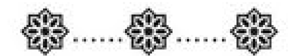
(بنت نور الٰہی، ہیڈ راجکاں)

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

مجھے سونے کی بیماری ہے۔ کام کرنے جاؤں وہاں نیند آ جاتی ہے۔ کسی سے ملنے جاؤں تو وہاں نیند یا پڑھنے لگوں تب نیند۔ بس دل چاہتا ہے کہ سویا رہوں۔ آخر اس بیماری کا نام کیا ہے تاکہ اس کی دوائی لے سکوں؟

☆ اٹھیں گے تو دوائی لینے جائیں گے۔

(خالد عباس، فیصل آباد)







السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے اور مدیر محترم بھی اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے استفادہ حاصل کر رہے ہوں گے۔

جمادی الثانی کا شمارہ کافی اچھا رہا لیکن بھائی زبیر طیب صاحب کی کمی محسوس ہوئی لیکن ''آدھی ملاقات'' میں زبیر بھائی کا نام دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا۔ اللہ باری تبارک وتعالیٰ آپ کو نئی تحریر لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں زبیر بھائی امید ہے حاضر ہوتے رہیں گے۔

اس کے علاوہ ''سوچ کا استاد بھائی محمد عثمان ارشاد کی اچھی کاوش تھی۔ اس کے علاوہ ایم تجمل بیگ، عبداللہ جان مہمند سعد اعجاز سبھی اچھا لکھتے ہیں، ''شرارت، میمونہ ارم کی ایک اصلاحی تحریر تھی، عبدالحفیظ امیر پوری کی طرف سے ''ٹیپو سلطان شہید'' اچھی تحریر جا رہی ہے، میں پہلی دفعہ خط لکھ رہا ہوں اور ساتھ ہی ایک کہانی بھی بھیجی ہے امید ہے شائع ہو جائے گی۔

آخر میں آپ سب کو اور خصوصاً حضرت امیر محترم کو سلام عرض اور دعاؤں کی درخواست!

والسلام، محمد عمیر ثناء (سرگودھا)

❀......❀......❀

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!!!

محترم مدیر صاحب!

امید کرتا ہوں کہ آپ اور آپ کی پوری ٹیم خیر وعافیت سے ہوگی میرا بچپن سے ہی اس رسالہ کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔

رسالہ ماشاء اللہ بہت ہی عمدہ جا رہا ہے اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مزید ترقی عطا فرمائے (آمین)

محترم مدیر صاحب!! مجھے رسالہ ''مسلمان بچے'' سے پہلی دفعہ شکایت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور وہ شکایت یہ ہے کہ رسالے میں ایک سلسلہ ''وہ کون تھے'' شروع کیا گیا ہے، اس میں قرعہ اندازی کے ذریعے انعام دیا جاتا ہے، شمارہ نمبر 182 کے سلسلے کی قرعہ اندازی میں میرا نام آیا تھا اور مجھے ابھی تک انعام موصول نہیں ہوسکا امید ہے کہ آپ غور و فکر فرمائیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کام میں مزید ترقیاں عطا فرمائیں اور حضرت امیر محترم کا سایہ ہم سب کے سروں پر تادیر سلامت رکھے، آمین ثم آمین۔

والسلام

حافظ عبدالرحمان۔

❀......❀......❀

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا نام سمیہ جہادی ہے میں درجہ عالیہ دوم میں پڑھتی ہوں سب سے پہلے مدیر صاحب کا میری کہانی شائع کرنے پر شکر گزار ہوں (یقین) جو پچھلی مرتبہ بھیجی تھی۔

میں اس رسالہ کی پرانی قاریہ ہوں میں بہت چھوٹی تھی جس وقت جانباز کی قسط شروع ہوئی تھی میری بڑی آپی بھی بہت شوق سے پڑھتی ہیں وہ مجھے ہر ماہ باقاعدہ جانباز کی کہانی سنایا کرتی تھی مجھے بچپن سے رسالہ پڑھنے کا بہت شوق تھا جب سے خود پڑھنا آیا تو ہر ماہ باقاعدہ سے پڑھتی ہوں مجھے کہانی لکھنے کا بہت شوق ہوا کئی مرتبہ کہانیاں لکھی تھی لیکن نہ لکھنے کا طریقہ معلوم تھا نہ بھیجنے کا پتہ معلوم تھا۔ لہذا مہربانی فرما کر اس خط کو شائع کردیا جائے اور میں کچھ نہ کچھ کہانیاں ارسال کرتی رہوں گی۔ لہذا میری حوصلہ افزائی فرمائے۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

والسلام

سمیہ بنت قاری امان اللہ عثمانی شہیدؒ

❀......❀......❀

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسلمانوں بچے کا شمارہ رجب المرجب ''اللھم بارک لنا فی رجب و شعبان و بلغنا رمضان'' کا پیام لیے ملا۔

اس شمارے کی سب سے خاص کہانی بھائی زبیر طیب صاحب کی لگی، فرحان بے چارے نے کئی راتیں خوف میں گزارنے کے بعد بالآخر اپنا چور پکڑ کر ہی دم لیا۔ ایک بہت ہی بہترین کہانی لکھی

زبیر طیب بھائی نے، امید ہے آپ آئندہ بھی ایسے لکھتے رہیں گے۔

تسلیمہ موسیٰ بہن نے گوہر سے ملاقات کرائی اور مثالی کردار جو نیکی کر اور دریا میں ڈال پر عمل پیرا تھا۔ بھائی دانیال حسن نے امہات المومنین رضوان اللہ تعالی علیہم پہ بہترین سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ یہ سلسلہ بہت ہی مفید اور قیمتی ہے، سیدہ ناجیہ شعیب کی کہانی بھی ہلکی پھلکی اور پر لطف رہی۔ دوسرا گھر میں ام محمد عبداللہ نے ہمیں اپنے قبلہ اول مسجد اقصیٰ کی یاد دلائی جو عرصہ دراز سے صہیونی تسلط کا شکار ہے۔ تحریر کو پڑھتے ہوئے دل سے امت مسلمہ کی سربلندی کی دعائیں نکل رہی تھیں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ پاک ذات امت مسلمہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء فرمائے اور اسلام کا بول بالا فرمائے، آمین ثم آمین

والسلام مع الاکرام محمد فیصل علی

ضروری اعلان

اطلاع کی جاتی ہے کہ مسلمان بچے خریدنے کے لیے آنلائن پیمنٹ کا طریقۂ کار فی الحال عارضی طور پر بند کر دیا گیا ہے۔ برائے مہربانی اشتہار میں دیئے گئے نمبر پر ہرگز پیسے نہ بھیجیں۔

انشاءاللہ مسلمان بچے کی آنلائن ترسیل کا نظم بہت جلد بہتر کر کے اطلاع کر دی جائے گی۔

بشکریہ ادارہ



ایک قیدی کی املا کروائی گئی کتاب !!

شمس الائمۃ السرخسی الحنفی رحمۃ اللہ کی کتاب "المبسوط" تیس جلدوں پر محیط ہے اور فقہ حنفی کی معتمد ترین کتب میں سے ہے۔ امام صاحب نے یہ کتاب جیل میں اپنے حافظے سے اپنے شاگردوں کو املاء کروائی تھی۔ کتاب میں جا بجا ایسی عبارات ملتی ہیں جو عزائم اور حوصلوں کو جلا بھی بخشتی ہیں، اور اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا احساس بھی دلاتی ہیں۔

کتاب المناسک (192 / 4) کے آخر میں امام صاحب کہتے ہیں:

"یہاں واضح ترین مفہوم اور عام فہم عبارات کے ساتھ، سیدِ سادات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے ہوئے، عبادات سے متعلقہ ابواب کی شرح مکمل ہوئی، جسے اس شخص نے املا کروایا ہے جو جمعہ اور جماعات میں شرکت سے روک دیا گیا ہے!"

کتاب الطلاق (59 / 7) کے آخر میں فرماتے ہیں:

"یہاں دقیق مسائل کی توضیح کے ساتھ، صاحبِ براق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے ہوئے کتاب الطلاق کی شرح مکمل ہوئی، جسے املا کروانے والا نقل و حرکت کی پابندیوں کا شکار اور فراق کی وحشت میں گھرا ہوا ہے۔"

کتاب العتاق (7/241) کے آخر میں فرماتے ہیں:

"آزادی کے اس باب کو آزمائشوں میں گھرے ہوئے قیدی نے املا کروایا ہے، جو آفاق کے ایک کونے میں محصور، مہیمن و رزاق کیلیے ہمہ وقت تعریف کناں اور اس کی ملاقات کے شوق میں سراپا امید ہے!"

کتاب المکاتب (8/80) کے آخر میں کہتے ہیں:

"کتاب المکاتب کی شرح مکمل ہوئی، جسے محصور و مظلوم، اور محبوس و سزا یافتہ قیدی نے املا کروایا ہے، جو دو سال سے صبر کو شعار بنائے ہوئے، اللہ کے لطفِ بے پایاں سے نجات کا منتظر ہے!"

کتاب الولاء (8/125) کے آخر میں فرماتے ہیں:

"کتاب الولاء اس شخص کے املاء کروانے سے اختتام کو پہنچی جو کئی انواع کی مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے، اللہ سے دعا گو ہے کہ اس آزمائش و پستی کو عزت و سربلندی میں بدل دے، کہ اس ذات کیلیے یہ بہت ہی آسان ہے!"

کتاب البیوع (12/108) کے آخر میں کہتے ہیں:

"غریب الدیار، محصور اور اہل و عیال کی ملاقات سے روکے ہوئے شخص کی املاء ختم ہوئی، جو رات کی تاریکی میں بڑے خشوع کے ساتھ روتے ہوئے اس آزمائش کے ٹلنے کی دعا کیا کرتا ہے!"

اللہ ائمہِ دین کی قبروں کو منور فرمائے اور امت کی طرف سے انہیں بہترین جزا عطا فرمائے۔

(عربی سے ماخوذ از عروہ بن زبیر)

❀......❀......❀

دل پاک کیجیے!!

مسجد کی اسپیکر والی الماری جو بغیر تالے کے ہے، ایک دن آذان دینے کے لئے مؤذن صاحب نے اسپیکر کا بٹن کھولا تو اسپیکر کی مشین تو چلی مگر آواز ہارن تک نہ جاتی تھی۔

بوڑھے مؤذن صاحب نے مشین اور الماری بند کر کے بغیر اسپیکر کے آذان دی، جب نمازی آئے تو مؤذن صاحب نے ایک نوجوان کو اسپیکر چیک کرنے کو کہا، اُس نے دیکھا تو ہارن کی جانب جانے والی تار ایسے کٹی اور چھیلی ہوئی تھی جیسے کسی نے چھری سے کاٹنے کی کوشش کی ہو، ساری مسجد میں یہ بات پھیل گئی کہ جناب کوئی چور مشین چوری کرنے کی غرض سے آیا، اچانک کسی کی آہٹ سنائی دینے پر وہ کام نامکمل چھوڑ کر بھاگ گیا۔

اَب چور تلاش کرنے کی صدا لگائی گئی، محلے کے فُلاں اُوباش کی یہ حرکت ہوسکتی ہے، دوسرے نے کہا فلاں چھوکرا بری صحبت میں اٹھتا بیٹھتا ہے اُس کی کارستانی ہوسکتی ہے، تیسرے بابا جی نے

کہا فلاں گھر والا لڑکا دو سال پہلے چوری کے کیس میں پکڑا گیا تھا مجھے تو اُس پر شک ہے، غرض کہ جتنے منہ اُتنی باتیں۔

ظاہر ہے کسی کا گھر تو تھا نہیں کہ جب تک کوئی فیصلہ نہ ہو جاتا مجلس برخاست نہ ہوتی، سب اپنی بولی بول کر آہستہ آہستہ بنا کوئی فیصلہ کئے مسجد سے رخصت ہو گئے، تار جوڑ دی گئی، آذان کی آواز آنا شروع ہو گئی، ہر نماز پہ بات چھڑتی اور مختلف چوروں پہ تبصرے ہوتے رہے۔

دوسرے دن ظہر کی آذان دینے کے لئے مؤذن صاحب نے جونہی الماری کا دروازہ کھولا تو دُپ کر کے بڑا چوہا مؤذن صاحب کے قدموں کو چھوتا وہ گیا، اوسان بحال ہونے پہ جب مشین کا بٹن کھولا تو ہارن میں آواز ندارد، وہی تار کٹی ہوئی، وہی کل والا مسئلہ، اب جب نمازی تشریف لائے تو مؤذن صاحب نے ساری صورتحال سے آگاہ کیا، سب خاموش۔

ہمارے اکثر جھگڑے مفروضوں پہ قائم ہوتے ہیں، دشمنیاں شک کی بنیاد پہ ہوتی ہیں، نفرتیں گمانوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، اکثر وہ کچھ نہیں ہوتا جو ہم سوچ رہے ہوتے ہیں، دل پاک کیجیے سوچ پاک ہو جائے گی نفرت کی جگہ اُلفت جنم لے گی۔

(بنت شہزاد، دین پور)

ضمیر کی جیت

خوبصورت جومیٹری بکس دیکھ کر حارث کا دل مچل کر رہ گیا۔

''واہ! اتنا خوبصورت جومیٹری بکس ہے''

مگر ایک دم اس کا دل افسردہ سا ہو گیا۔

''کاش! یہ میرے پاس ہوتا'' اس نے حسرت سے سوچا، دل ہی دل میں ایک منصوبہ بنایا اور مطمئن ہو گیا۔

راحیل ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، اس کے ابو کاروبار کے سلسلے میں دبئی گئے ہوئے تھے جسکی وجہ سے راحیل پریشان رہتا وہ اسکا دل بہلانے کے لئے اسے کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے تا کہ وہ خوش ہو جائے آج بھی اس کی فرمائش پر منگوایا ہوا جومیٹری بکس لایا تھا۔ جو وہ اپنے دوستوں کو دکھا رہا تھا۔

''دیکھو تو ادھر سے بٹن دباؤ تو یہ سارے کلر نکلتے ہیں اور اس بٹن کے دبانے سے جومیٹری کا دوسرا حصہ کھلتا ہے'' وہ فخر کے ساتھ سب کو دکھا رہا تھا جبکہ سب دوست اس کی تعریف کر رہے تھے۔

''بہت اعلیٰ قسم ہے، ارے مجھے تو لگتا ہے بہت مہنگا ہے۔ میں بھی اپنے چچا سے کہہ کر ایسا ہی منگواؤں گا'' ایک دوست نے اس بکس سے متاثر ہو کر کہا۔

''مجھے بھی دکھاؤ ذرا'' حارث نے کہا تو راحیل نے فوراً جومیٹری اس کے حوالے کر دی۔

''بہت پیاری ہے یہ جومیٹری تو''

''شکریہ دوست!'' راحیل نے خوشی سے جواب دیا۔
جیسے ہی وقفے کی گھنٹی بجی سب شور مچاتے ہوئے اپنے لنچ لے کر کلاس روم سے باہر چلے گئے، راحیل نے بھی اپنا لنچ بکس اٹھایا اور دوستوں کے ساتھ باہر چلا گیا۔ آہستہ آہستہ بچے باہر چلے گئے اب وہ کلاس روم اکیلا رہ گیا تھا۔
اس نے کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھا اچانک آواز سے اس کے اٹھتے قدم رک گئے، اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
''رک جاؤ یہ چوری ہے'' یہ کسی اور کی نہیں بلکہ اس کے اپنے ضمیر کی آواز تھی۔
''ایک دفعہ چوری کرنے سے تم چور تھوڑی بن جاؤ گے اور دیکھو تو کتنا پیارا جومیٹری بکس ہے جلدی کرو اچھا موقع ہے۔'' یہ اس کے نفس کی آواز تھی۔
ایک دم اس کے رکے ہوئے قدم تیزی سے اٹھے، اس نے محفوظ جگہ اس کو چھپایا اور باہر آ گیا۔ نفس بہت خوش تھا کیوں کہ ابن آدم نے اس کی پیروی کی تھی۔
جومیٹری بکس تو حاصل کر لیا تھا مگر ضمیر بار بار اسے ملامت کر رہا تھا۔ دل کی تیز دھڑکن اسے غلطی کا احساس دلا رہی تھی، وہ گندا بچہ تو نہیں تھا اور نہ ہی اس نے کبھی ایسا کام کیا تھا، اس لیے اس کا دل مطمئن اور خوش ہونے کی بجائے تیزی سے دھڑک رہا تھا۔
''چور کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم اسے یاد آیا۔
''مگر تمہیں کسی نے نہیں دیکھا تو اللہ نے تو دیکھا ہے ناں''، ضمیر نے ایک اور کاری ضرب لگائی۔
''ارے تم کیا سوچنے بیٹھ گئے چھوڑ سب باتوں کو''، نفس نے اسے خوش کرنے کی کوشش کی۔
''اب تم سہی کھیلنا اور انجوائے کرنا''
''اور اگر امی نے پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا؟'' حارث نے سوچا، نفس نے فوراً جواب دیا۔
''کہہ دینا میرے دوست نے دیا ہے۔''
''قیامت کے دن اللہ کے سامنے کیا جواب دو گے''، ضمیر نے اسے احساس دلایا۔
''ایک اللہ کی نافرمانی اور دوسری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کر رہے ہو، دیکھو کل اسلامیات کے استاد نے کیا بتایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا چوری کو بھی اور جھوٹ کو بھی اور یہ تو کبیرہ گناہ ہیں اور کبیرہ گناہ اللہ کے ہاں بغیر معافی کے معاف بھی نہیں ہوتے۔
''اور قیامت کے دن ہر ظلم کا بدلہ ضرور لیا جائے گا۔''
اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، وقفہ ختم ہونے میں پانچ منٹ باقی تھے، وہ جلدی سے تیز قدم اٹھاتا ہوا کلاس روم گیا اور جومیٹری دوبارہ راحیل کے بیگ میں ڈال دی اسے ایسا لگا جیسے اسکا دھڑکتا دل مطمئن ہو گیا۔

ضمیر جیت گیا تھا اور نفس ہار مان چکا تھا، سچ ہے اگر اپنی سوچ اچھی بنالو تو گناہوں سے بچنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

❁......❁......❁

رشتے داری

سلمان کے والد سرکاری محکمے میں اعلیٰ عہدہ پر فائض تھے۔ شہر میں سرکاری بنگلہ ملا ہوا تھا۔ نوکر چاکر لاتعداد جی حضوری میں پیش پیش تھے۔

سلمان شہر کے سب سے مہنگے ترین سکول میں پڑھ رہا تھا جہاں شہر کے دیگر امراء کے بچے بھی زیر تعلیم تھے۔

سلمان اپنے والد کے ساتھ کبھی ان کے دوستوں کے پاس یا اپنے کلاس فیلو کے گھر جاتا تو کیونکہ وہ سب ہی امیر ترین لوگ تھے۔ ان کے گھر کا اور سلمان کے گھر کا ماحول ایک جیسا ہی ہوتا تھا۔ ایک بار سکول میں چھٹیاں تھیں تو سلمان اپنے والد سے مخاطب ہوا۔

”ابو جی! کیوں نہ ہم اس بار چاچا کے گاؤں چلیں۔ تمام بچے چھٹیوں میں اپنے دادا کے گاؤں جاتے ہیں لیکن میں تو ایک بار بھی نہیں گیا ہوں۔“

سلمان کے اس غیر متوقع سوال پر اس کے والدین چونک گئے اس کی ماں نے کہا۔

”بیٹا تم نانا ابو کے گھر چلے جاؤ!“

”امی جان نانا کا بنگلہ تو شہر میں ہے۔ وہاں تو ہم ہفتے میں دو سے تین بار ہو کر آتے ہیں لیکن دادا کے گاؤں تو ہم ایک بار بھی نہیں گئے۔ بس مجھے نہیں پتہ، میں نے تو دادا کا گاؤں دیکھنا ہے۔ تمام بچے گاؤں کی اتنی مزیدار باتیں سناتے ہیں۔“ سلمان نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

آخر کار سلمان کے والد نے سلمان کے آگے ہار مان لی۔ انہوں نے دو سے تین دن تک گاؤں جانے کا منصوبہ بنالیا۔ سلمان بہت زیادہ خوش تھا۔ کیوں کہ سلمان نے کئی بار اپنے والد کی ہی زبانی سن رکھا تھا کہ اس کا والد کیسے بچپن میں ٹیوب ویل پر اپنے دوستوں کے ہمراہ نہاتے تھے۔ وہ سب مل کر دن بھر کھیلتے تھے۔ سلمان نے اپنا بہت سارا سامان پیک کر لیا تھا۔ تاکہ وہ کم از کم چھٹیوں کا ایک ہفتہ وہاں گزار سکے اور خوب موج مستی کر سکے۔

سلمان گاؤں جانے والے دن علی الصبح تیار ہو گیا تھا۔ سلمان اپنے والد کے ہمراہ گاؤں جیسے ہی پہنچا تو حیران رہ گیا۔ کیوں کہ وہاں ان کے چاچا کا گھر کچی حویلی پر مشتمل تھا۔ بچوں نے کپڑے بھی بہت خراب حالت والے پہنے ہوئے تھے۔ ایسے کپڑے تو ان کے ملازموں کے بچے بھی نہیں پہنتے تھے۔ سلمان کو ان بچوں سے ملنے میں کوئی خوشی نہیں محسوس ہوئی۔ رات مچھروں نے بھی سلمان کو کاٹا جس وجہ سلمان رات کو سو بھی نہیں سکا۔ کیوں کہ ایک ہی پنکھا تھا اور AC بھی نہیں تھا۔ سلمان

تو اگلے ہی دن واپس شہر لوٹ آیا۔

"ماما! میں نے آج کے بعد گاؤں نہیں جانا، وہ لوگ اتنے غریب ہیں۔ وہ ہمارے سٹینڈرڈ کے نہیں ہیں۔" سلمان نے اپنی ماں سے کہا۔

"بیٹا! میں تو پہلے بھی آپ کو یہی کہتی تھی کہ وہ لوگ ہمارے سٹینڈرڈ کے نہیں ہیں۔ تم نے وہاں جا کر غلطی کی ہے۔" اس کی ماں نے بھی فخریہ انداز میں کہا۔

"بیٹا! خونی رشتے داری میں امیری غریبی نہیں دیکھی جاتی، وہ تمہارے انکل ہیں، وہ میرے بھائی ہیں۔ خونی رشتے داری امیری غریبی سے بالاتر ہوتی ہے۔ جس طرح آپ ہمارے بیٹے ہو اس طرح وہ میرے بھائی اور وہ ان کے بچے ہیں۔ پھر مشکل وقت میں بھی صرف رشتے دار ہی کام آتے ہیں۔ اللہ پاک بھی رشتے داروں کے حقوق کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ سمجھ آ گئی ناں؟" سلمان کا والد یہ سن کر افسردہ سا ہو کر سلمان سے مخاطب ہوتا ہے۔

"مجھے امید ہے اب تم اپنے انکل اور اس کے بچوں کو یہاں آنے کی دعوت دو گے اور بہت سے تحائف بھی دو گے۔" سلمان نے کہا۔

"جی ابو! میں ابھی کال کرتا ہوں۔"

سلمان کے انکل اور چچا زاد بھائی جب ان کے پاس آئے تو وہ ان میں گھل مل گیا اور بہت سے قیمتی تحائف بھی دیئے اور جلد گاؤں جانے کا وعدہ بھی کیا اور پھر گاؤں جا کر کچھ دن ان کے پاس بھی رہا۔ وہ ان کا بہت اچھا دوست بن گیا۔

وہ اپنے چاچا کے ساتھ ان کے کھیت بھی گیا۔ وہ تمام بچے ٹیوب ویل میں نہائے اور انہوں نے خوب موج مستی کی۔ سلمان کا والد جب اسے واپس لانے لگا تو سلمان ضد کرنے لگا کہ وہ کچھ دن اور یہاں رہے گا لیکن اس کے والد نے کہا کہ اب سکول لگ رہے ہیں پھر اگلی چھٹیاں ہوں تو آ جانا۔

سلمان کا والد بہت خوش تھا کہ اس کی باتیں سلمان کے دل پر لگی تھیں۔ جس وجہ سے سلمان کو رشتے داری کے مطلب کا پتہ چل گیا تھا۔

(بہرام وٹو)

کیسی خوب نعمت

دیکھیں ایک لقمہ پیٹ تک پہنچانے کا قدرت نے کتنا انتظام کیا ہے!!

☆ گرم ہو تو ہاتھ بتا دیتے ہیں۔

☆ سخت ہے تو دانت بتا دیتے ہیں۔

☆ کڑوا ہے یا ترش ہے تو زبان بتا دیتی ہے۔

☆ باسی ہے تو ناک بتا دیتی ہے۔

☆ بس حرام ہے یا حلال، یہ فیصلہ ہم نے کرنا ہے۔

حبیبہ اکرام